خطباتِ پاکستان

مولانا سید جلال الدین عمری

ترتیب و تدوین اور رودادِ سفر

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

ترتیب

خطبات

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع دوم

'خطبات پاکستان' اکتوبر ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ چھ ماہ کے بعد ہی اس کا دوسرا ایڈیشن پریس جارہا ہے۔ یہ اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ان خطبات کی اہمیت یہ ہے کہ ان کے مضامین کی نوعیت وقتی نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے دامن میں مستقل اقدار رکھتے ہیں۔ ان میں بہت پُرزور اور مدلّل انداز میں اقامتِ دین کی جدوجہد پر ابھارا گیا ہے اور غلبۂ دین کی مختلف جہات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ان میں ہندوستانی مسلمانوں کے احوال و مسائل اور زندگی کے مختلف میدانوں میں جماعت اسلامی ہند کی سرگرمیوں اور خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کی ایک تاریخی حیثیت ہے۔ اسی طرح اس کتاب کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ اس کے سفر ناموں میں پاکستان کی بہت سی دینی وتحریکی شخصیات اور اداروں کا تعارف آ گیا ہے۔ اور بعض اہم اجتماعی مسائل پر اسلام کے نقطۂ نظر کی وضاحت بھی موجود ہے۔

ان خطبات کے مطالعہ سے غلبۂ دین کے لیے علمی اور عملی جدوجہد کا جذبہ ابھرتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جذبہ سے ہم سب کو بہرہ ور فرمائے۔

محمد رضی الاسلام ندوی

۱۵/۴/۲۰۱۳ء

حرفِ آغاز

ماہ جون ۲۰۱۲ء کے دوسرے ہفتے (۶-۱۳؍جون) میں جماعت اسلامی کراچی کے ادارۂ نورحق کے زیر اہتمام منعقدہ بین الاقوامی قرآن نمائش کے منتظمین کی دعوت پر مولانا سید جلال الدین عمری امیر جماعت اسلامی ہند نے پاکستان کا سفر کیا۔ اس سفر میں راقم سطور کو ان کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا نے نمائش کی افتتاحی تقریب میں بہ طور مہمان خصوصی شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ کراچی میں ان کے اور بھی کئی پروگرام ہوئے۔ اس کے علاوہ اس دورہ میں لاہور، حیدرآباد (سندھ) اور اسلام آباد بھی جانے کا موقع ملا۔ ہر جگہ تحریک اسلامی کے حلقہ میں جماعت اسلامی کے ارکان و کارکنان اور اسلامی جمعیت طلبہ کے نوجوانوں کے درمیان خصوصی نشستوں کے علاوہ عوامی پروگرام بھی ہوئے، جن میں محترم امیر جماعت نے خطاب فرمایا۔ ان کے اس دورہ کو پاکستانی میڈیا میں خوب کوریج ملا اور ان کے بعض خطابات سے، جو فوراً ہی یوٹیوب (Youtube) پر لوڈ کردیے گئے تھے، پوری دنیا میں اسلام پسندوں نے استفادہ کیا۔

واپسی پر راقم سطور نے اس دورہ کی روداد قلم بند کی، جو سہ روزہ دعوت نئی دہلی کے پانچ شماروں (۲۵؍جون تا ۱۰؍جولائی) میں قسط وار شائع ہوئی۔ اس روداد کو قارئین نے بہت پسند کیا اور اسے معلومات افزا قرار دیا۔ ان کی طرف سے اس کا بھی تقاضا ہوا کہ دورۂ پاکستان میں مختلف مقامات پر امیر جماعت کے جو خطابات ہوئے ہیں انھیں

مرتب و مدوّن کر کے شائع کیا جائے، تاکہ ان سے استفادہ کا دائرہ وسیع ہو۔ کچھ خطابات تو یو ٹیوب پر موجود تھے، خصوصی نشستوں میں کیے گئے خطابات کو میں نے اپنے موبائل فون کے ذریعے ریکارڈ کیا تھا۔ اولین مرحلہ ان کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کا تھا۔ اس کام میں برادر عزیز سراج احمد فلاحی نے مدد کی۔ اس کے بعد ان کی مناسب تدوین (Editing) کی گئی اور خطابی انداز کو تحریری شکل دی گئی۔ خطابات میں جن باتوں کی تکرار تھی، انھیں بھی حتی الامکان حذف کردیا گیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات صرف ایک جگہ آئے۔ جماعت اسلامی ہند کی خدمات کا تذکرہ متعدد خطابات میں آیا تھا، انھیں یکجا کردیا گیا ہے۔ محترم امیر جماعت نے بھی ان خطابات پر نظر ڈالی ہے اور ضروری حذف و اضافہ اور اصلاح و ترمیم کے بعد انھیں مضامین اور مقالات کی شکل دی ہے۔ ان خطابات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ ان میں اقامت دین کے لیے جدوجہد، احیائے اسلام کی تدابیر، غلبۂ دین کی مختلف جہتیں، ذاتی اصلاح و تربیت ہندوستانی مسلمانوں کے حالات اور مسائل، جماعت اسلامی ہند کی خدمات اور سرگرمیاں اور دیگر اہم موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔

دوران سفر پاکستان کے بعض اخبارات و رسائل نے محترم امیر جماعت سے انٹرویو لیے تھے۔ آخر میں ان کے کچھ اقتباسات بھی ضروری تصحیح کے بعد شامل کردیے گئے ہیں۔

مناسب سمجھا گیا کہ ان خطابات کے ساتھ رودادِ سفر بھی شامل کردی جائے، تاکہ وہ پس منظر کا کام دے۔ البتہ روداد میں خطابات کے جو اجزاء آگئے تھے، انھیں حذف کردیا گیا ہے کہ اب ان کی اس میں ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

امیر جماعت کا، پاکستان کا یہ دوسرا سفر تھا۔ اس سے قبل وہ پہلی مرتبہ ۲۰۰۵ء میں وہاں تشریف لے گئے تھے۔ یہ سفر اگرچہ بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد کی دعوت پر اس کے ایک سمینار میں شرکت کے لیے ہوا تھا، لیکن اُس موقع پر بھی انھیں

لاہور اور کراچی جانے کا موقع ملا تھا۔ اُس سفر کی روداد انھوں نے خود لکھی تھی، جو سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ (اپریل-جون ۲۰۰۵ء) میں شائع ہوئی تھی۔ چوں کہ اس میں بھی پاکستان کے سلسلے میں تحریکی اور علمی اعتبار سے بہت سی قیمتی معلومات ہیں، اس میں مولانا نے اب کچھ نئے مواد کا اضافہ بھی کیا ہے، اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ اسے بھی اس مجموعے میں شامل کردیا جائے۔ یہ دونوں رودادیں عام طرح کی رودادیں نہیں ہیں، بلکہ ان میں پاکستان کے حالات، وہاں کی بعض اہم شخصیات کا تعارف، دینی وتحریکی حلقوں کی سرگرمیاں اور بعض علمی مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت آ گئی ہے، اس لیے ان کی حیثیت ایک علمی دستاویز کی ہوگئی ہے۔

محترم امیر جماعت کے مذکورہ بالا خطابات میں سے کچھ ماہ نامہ زندگی نو اور سہ روزہ دعوت میں شائع ہو چکے ہیں۔ امید ہے، اس مجموعہ کی اشاعت سے ان سے زیادہ بڑے پیمانے پر استفادہ کیا جاسکے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ دین کی خدمت کی توفیق دے اور کاموں میں اخلاص کی دولت سے نوازے۔ وماتوفیقی الّا باللہ

۱۷ ستمبر ۲۰۱۲ء

محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند

پاکستان کا سفر

(دو ہفتوں کی خوش گوار یادیں)

ایک طویل عرصے سے پاکستان جانے، وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرنے اور دوستوں اور رفیقوں سے ملاقات کی خواہش دل میں موج زن تھی، لیکن ہر خواہش کا پورا ہونا اور جس وقت ہم چاہتے ہیں اس وقت پورا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہندوستان اور پاکستان دو پڑوسی ملک ہیں، لیکن ان کے درمیان سفر آسان نہیں رہا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ ان کے سرد و گرم تعلقات بھی ہیں۔ ان تعلقات میں اس قدر نشیب و فراز رہا کہ کبھی سفر کا ارادہ ہوتا اور کبھی ٹوٹ جاتا۔ ایک مرتبہ ویزا بھی مل گیا اور میں نے سفر کی تیاری شروع کردی، لیکن اسی اثنا میں کارگل کا محاذ کھل گیا اور دونوں ملکوں کے حالات اس قدر کشیدہ ہوگئے کہ سفر ملتوی کرنا پڑا۔ اب بظاہر حالات میں تبدیلی آئی ہے اور بہ آسانی آمد و رفت شروع ہوگئی ہے۔

مقصدِ سفر

بہر حال بہت تاخیر سے سہی، اس عاجز کے پاکستان جانے کی صورت نکل آئی۔ ۱۹/۲۰/۲۱/مارچ ۲۰۰۵ء کو بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد میں 'اجتماعی اجتہاد' کے موضوع پر سمینار تھا۔ اس میں شرکت کا دعوت نامہ محترم ڈاکٹر طاہر منصوری ،

صدر شعبۂ قانون کی جانب سے موصول ہوا اور میں نے دعوت قبول کرلی۔ سفارت خانہ پاکستان کو ایک دوست نے میرے ارادے کی اطلاع اور ویزا کی درخواست دی۔ سفارت خانہ نے بخوشی اسے منظور کرلیا۔ میں نے پاسپورٹ بھیج دیا اور ویزا مل گیا۔ پولیس رپورٹنگ سے بھی مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ اس کے لیے میں سفارت خانہ پاکستان کا مشکور ہوں۔ سمینار میں شرکت کے لیے اسلام آباد جانا ہی تھا۔ اس کے ساتھ پاکستان کے دو بڑے علمی، تہذیبی اور سیاسی مراکز لاہور اور کراچی کو بھی میں نے اپنے پروگرام میں شامل کرلیا۔ سفر کی پہلی منزل لاہور تھی۔

لاہور روانگی

میرا ٹکٹ پی آئی اے (PIA) سے تھا۔ ۱۲/مارچ ۲۰۰۵ء کی شام کو ساڑھے پانچ بجے روانگی تھی۔ لیکن کسی قدر تاخیر سے جہاز روانہ ہوا۔ پچاس منٹ کی پرواز کے بعد پاکستانی وقت کے لحاظ سے ساڑھے سات بجے جہاز لاہور پہنچا۔ لاہور کا نیا ہوائی اڈہ بہت وسیع، خوب صورت اور صاف ستھرا ہے۔ میرے ساتھ سامان بہت کم تھا۔ کسٹم والوں نے بھی تفتیش نہیں کی۔

خوشا راہی کہ سامانے نہ دارد

ایئر پورٹ سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران تھا کہ ایک بندۂ عاجز و ناتواں کے استقبال کے لیے جناب حافظ محمد ادریس صاحب ناظم اعلیٰ ادارۂ معارف اسلامی لاہور، جناب اشرف ملک اعوان صاحب نائب قیم جماعت اسلامی پاکستان، جناب عبدالغفار عزیز صاحب ناظم امورِ خارجہ جماعت اسلامی پاکستان طلبہ کے ساتھ موجود ہیں۔ ان سب حضرات سے پہلی ملاقات تھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ہر طرف سے محبت اور اخلاص کے پھول برس رہے ہوں۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی دوستوں سے تفصیلی تعارف شروع ہوگیا۔ ایئر پورٹ سے قیام گاہ کا فاصلہ ایک گھنٹہ میں طے ہوا۔ قیام گاہ پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر

بعد اطلاع ملی کہ ایک اسلام پسند نوجوان کا ولیمہ ہے۔ اس میں شرکت اس کے لیے بھی اور اس کے عزیزوں کے لیے بھی خوشی کا باعث ہوگی۔ اس نوجوان کی شادی ایک ترک لڑکی سے ہوئی ہے۔ ولیمہ کی اس تقریب میں محترم قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان، نائب امراء چودھری رحمت الٰہی صاحب اور چودھری محمد اسلم سلیمی صاحب اور بعض دیگر ذمہ دار حضرات بھی شریک تھے۔ ان سب سے غائبانہ واقفیت تو تھی ہی، اب براہ راست تعارف کا موقع ملا۔ گو یہ ملاقات تھوڑی دیر کے لیے تھی، لیکن فطری طور پر اس سے بڑی ہی مسرت محسوس ہوئی۔

مرکز جماعت منصورہ میں

۱۳/مارچ کی صبح ادارۂ معارف اسلامی لاہور میں حاضری دی۔ حافظ محمد ادریس صاحب نے تفصیل سے ادارہ کا تعارف کرایا۔ یہ ایک علمی ادارہ ہے، جہاں ریسرچ اور تحقیق کی ضروری سہولتیں موجود ہیں۔ اس کی اپنی لائبریری ہے۔ ریسرچ اسکالرز اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ تحقیقی کاموں میں ان کی مدد بھی کی جاتی ہے۔ ان کے تحقیقی مقالے یہاں جمع ہوتے ہیں۔

اسی سے متصل 'ترجمان القرآن' کا دفتر ہے۔ ترجمان القرآن پاکستان کا ایک معتبر دینی و علمی رسالہ ہے۔ اس رسالے کے ساتھ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی یاد وابستہ ہے۔ اس نے امت کے ذہن وفکر کی تعمیر میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کی ادارت کے فرائض کئی سال سے عالمِ اسلام کی معروف شخصیت پروفیسر خورشید احمد صاحب انجام دے رہے ہیں۔ معروف اسلامی مفکر اور مصنف، محترم جناب خرم مراد مرحوم کے برادر خورد جناب مسلم سجاد صاحب اس کے نائب مدیر ہیں۔ ان سے بار بار ملاقات رہی اور ان کی نیک نفسی اور خلوص کے نقوش دل پر ثبت ہوتے رہے۔ یہیں قریب ہی پروفیسر نصیرالدین ہمایوں نائب صدر تنظیم اساتذہ پاکستان کی قیام گاہ ہے۔ ان

کا شمار تعلیمات کے ماہر اساتذہ میں ہوتا ہے۔ ان سے کئی بار ملاقات ہوئی۔ اسلام آباد میں بھی ان کی رفاقت حاصل رہی۔

قریب ہی مکتبۂ معارف اسلامی لاہور ہے۔اسے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میری کتاب 'عورت اسلامی معاشرے میں' کا پندرہواں ایڈیشن اسلامک پبلی کیشنز نے دو سال قبل شائع کیا ہے۔ ہندوستان سے اس کے گیارہ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ میری بعض اور کتابوں کے بھی چار پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ زیادہ تر کتابیں اسلامک پبلی کیشنز سے شائع ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ جس مکتبہ نے جو کتاب شائع کرنی چاہی، شائع کر دی، مجھے اس کی اطلاع تک نہیں دی۔اب بعض مکتبے ان کتابوں کو زیادہ اہتمام سے شائع کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔

جماعت اسلامی لاہور کے دفتر میں استقبالیہ

بعد نماز عصر پانچ بجے جماعت اسلامی لاہور نے اپنے دفتر میں استقبالیہ کا نظم کیا تھا۔ تین چار سو افراد جمع تھے۔ اسٹیج پر ملک محمد اشرف اعوان، حافظ سلیمان بٹ وغیرہ ذمہ دار افراد موجود تھے۔ ملک محمد اشرف اعوان صاحب نے عاجز کا تعارف کرایا اور خطاب کی دعوت دی۔ میں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے حالات اور جماعت کی خدمات کا تعارف کرایا۔ میں نے بتایا کہ اس وقت برصغیر میں جماعت اسلامی کے نام سے پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور کشمیر میں جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ ان سب کا نصب العین گو اقامت دین ہے، لیکن ان کے درمیان کسی قسم کا تنظیمی ربط نہیں ہے۔ ہر جماعت کا اپنے حالات کے لحاظ سے نقشۂ کار ہے اور وہ اس پر عمل کرتی ہے۔ جماعت اسلامی ہند نے اپنے لیے جو طریقۂ کار تجویز کیا ہے اس میں اسلام کا تعارف اور اس کی دعوت، مسلم معاشرے کی اصلاح، تعلیم کی توسیع اور خدمت خلق کے کاموں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ اپنے کارکنوں کی تربیت و اصلاح پر بھی خاص توجہ دیتی ہے۔

میڈیا کے سوالات

تقریر کے بعد پریس والوں نے سوال و جواب شروع کردیے۔ اہل پاکستان کو ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی، معاشی، تہذیبی حالات سے خاص دلچسپی ہے۔ وہ مسلمانوں کی جان، مال اورعزت و آبرو کے تحفظ کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ غیرمسلم سیاسی جماعتوں کا مسلمانوں کے سلسلے میں رویہ ان کے سوالات میں شامل ہوتا ہے۔ جماعت اسلامی ہند کے متعلق بھی وہ سوالات کرتے ہیں۔ ان کا خاص موضوع مسئلہ کشمیر ہے، جس کے بارے میں ہر موقع پر سوال کیا جاتا ہے۔ میں نے ہندوستانی نظام، اس کے دستور، اس میں اقلیتوں کے حقوق ، موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کے حل کی کوششوں کا مختصر سا ذکر کیا۔ مسئلہ کشمیر کے بارے میں بتایا کہ یہ برصغیر کا پچاس سال سے زیادہ قدیم اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس کا حل ہم سب چاہتے ہیں، لیکن یہ حل بات چیت اور گفتگو ہی کے ذریعہ نکلنا چاہیے، جنگ اس کا حل نہیں ہے۔ اس مسئلے پر تین جنگیں ہوچکی ہیں، اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اب جنگ ہوگی تو بڑی تباہ کن ہوگی، اس لیے کہ اب یہ دو ایٹمی ملکوں کے درمیان جنگ ہوگی، اس سے دونوں تباہ ہوجائیں گے۔ ان دونوں ممالک کو ایسا پرامن حل تلاش کرنا چاہیے جو کشمیریوں کے لیے بھی قابل قبول ہو۔

صحافتی کورتج

لاہور کے بیش تر اخبارات نے، جن میں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے اخبارات شامل ہیں، اس عاجز کی لاہور آمد اور سوال و جواب کو نمایاں طریقہ سے شائع کیا،لیکن افسوس کہ بعض باتوں کی صحیح رپورٹنگ نہیں ہوسکی۔ پاکستان کی اردو صحافت کا معیار ہندوستان کی اردو صحافت سے بلند ہے۔ دہلی، اترپردیش اور بہار، جو اردو کے مراکز ہیں، یہاں کی اردو صحافت نیم جان، بلکہ بے جان ہوکر رہ گئی ہے۔ بمبئی اور حیدرآباد کے

اخبارات اپنا ایک معیار رکھتے ہیں۔ پاکستان کے اردو اخبارات کا معیار وہاں کے انگریزی اخبارات سے کم نہیں ہے۔ ان کی اشاعت انگریزی اخبارات سے زیادہ ہے۔ البتہ گندگی اور بے حیائی کی اشاعت ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ مشترک ہے، بہت کم اخبارات اس سے محفوظ ہیں۔

مولانا مودودیؒ کی قبر پر فاتحہ خوانی

استقبالیہ سے فارغ ہوکر ملک محمد اشرف اعوان صاحب کے ساتھ اچھرہ پہنچا اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی قبر پر حاضری دی۔ مولانا کو میں نے نہیں دیکھا، لیکن ان سے فکری رہنمائی حاصل کی ہے اور ان کے علم وفہم اور بصیرت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ اس دور میں اسلام کے بے باک ترجمان اور بہترین شارح تھے۔ انھوں نے احیاء اسلام کا جذبہ بیدار کیا۔ یہ جذبہ آج بھی زندہ و تابندہ ہے۔ وہ جب تک زندہ رہے بہت سے دلوں کی دھڑکن بن کر رہے اور جب دنیا سے گئے تو اپنا ذکرِ خیر چھوڑ گئے۔ میں نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس خادمِ دین کی خدمات کو قبول فرمائے اور اس کے درجات کو بلند کرے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا مرحوم کی قبر ہی کے قریب بیگم مودودیؒ کی بھی قبر ہے۔ اس اللہ کی بندی نے جس طرح ہر نشیب و فراز میں مولانا کا ساتھ دیا اور حقِ رفاقت ادا کیا وہ خود ایک مثال ہے۔

مولاناؒ جس آفس میں بیٹھتے تھے، رات ہونے کی وجہ سے وہ بند تھا۔ مولاناؒ کے صاحب زادوں سید حیدر فاروق مودودی اور سید حسین مودودی سے تھوڑی دیر ملاقات رہی، اس کے بعد قیام گاہ واپسی ہوئی۔

مولانا مودودی انسٹی ٹیوٹ میں طلبہ سے خطاب

۱۵/مارچ کا دن بھی بڑی مصروفیت کا رہا۔ صبح مولانا مودودیؒ انسٹی ٹیوٹ دیکھا اور وہاں کے طلبہ سے خطاب کیا۔ یہاں ہائی اسکول پاس طلبہ کے لیے دینی تعلیم کا دو سالہ کورس ہے۔ ذریعۂ تعلیم انگریزی اور عربی ہے۔ طلبہ نے مختصر سا پروگرام پیش کیا۔ اندازہ ہوا کہ وہ ان زبانوں میں اظہارِ خیال کرسکتے ہیں۔ طلبہ کے پروگرام کے بعد مجھ سے خطاب کی فرمائش ہوئی تو میں نے اس بات پر زور دیا۔ ؎

پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نہ تواں خدا را شناخت

علم کی راہ میں ہمارے اسلاف کی محنت اور کدوکاوش کی بعض مثالیں پیش کیں اور کہا کہ ادارہ جن اعلیٰ مقاصد کے لیے قائم ہوا ہے، اساتذہ اور طلبہ انہیں ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

جامعۃ المحصنات میں خطاب

جامعۃ المحصنات کے نام سے پاکستان میں دس گیارہ ادارے قائم ہیں۔ یہ ایک ٹرسٹ کے تحت چل رہے ہیں۔ اس کا تعلیمی نظام رابطۃ المدارس بورڈ کے تحت ہے۔ کم از کم میٹرک پاس طالبات کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ جو طالبات انگلش میں انٹر (F.A) کرنا چاہتی ہیں ان کے لیے اس کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔ یہ ادارے ابھی ابتدائی مرحلے میں ہیں۔ آگے کے مراحل پر عمل درآمد ہوتو اسلامی جذبات سے معمور طالبات تیار ہوسکتی ہیں۔ یہاں کی معلمات اور طالبات سے خطاب کا موقع ملا۔ جماعت اسلامی ہند کے متعلق عرض کیا گیا کہ وہ تعلیم کے میدان میں کافی آگے ہے۔ اس کے اراکین اور کارکنوں کے ذریعہ خواتین کی دینی تعلیم کے متعدد ادارے چل رہے ہیں اور بڑی جامعات بھی موجود ہیں۔

ادارۂ معارف اسلامی لاہور میں علمی نشست

بعد مغرب (ساڑھے چھ بجے) ادارۂ معارفِ اسلامی لاہور کی طرف سے مختصر سی علمی نشست کا اہتمام تھا۔ اس کے لیے دعوت نامے جاری کیے گئے تھے۔ لیکن توقع سے زیادہ افراد نے شرکت کی۔ اس عاجز نے اپنے اظہارِ خیال میں عرض کیا کہ اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ مادیت کا غلبہ ہے۔ مادیت انسان کے فکر و عمل، تہذیب و تمدن، معیشت و سیاست ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ مذہب و اخلاق بھی اس کے تابع ہوکر رہ گئے ہیں۔ آدمی اس سے اوپر اٹھ کر سوچنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہ صورتِ حال بڑی بھیانک ہے، لیکن نئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو اسی صورتِ حال سے سابقہ پیش آتا رہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو دنیا اسی مادیت میں گرفتار تھی۔ اس کی وجہ سے ہر طرف ظلم و استحصال تھا، حقوق پامال ہو رہے تھے، اور سماج عدل و انصاف سے محروم تھا۔ آپؐ نے یہ حقیقت واضح کی کہ اس بگاڑ کی اصل وجہ خدا اور رسول کا انکار اور آخرت فراموشی ہے۔ اگر خدا کا تصور واضح ہو، انسان اس کی ہدایت کو تسلیم کرے اور یہ بات مان لے کہ آخرت کی کامیابی اور ناکامی ہی اصل ہے تو وہ مادیت کی دلدل سے نکل سکتا ہے۔ دنیا ظلم سے پاک ہوسکتی اور نظامِ حیات امن و امان اور عدل و انصاف پر قائم ہوسکتا ہے اور اس کی آخرت بھی سنور سکتی ہے۔ یہی کام آج کرنے کا ہے۔

تقریر کے بعد تھوڑی دیر سوال و جواب کا سلسلہ رہا۔ اس مجلس کی رپورٹ پاکستان کے سینئر صحافی اور مشہور کالم نگار عطاء الرحمٰن صاحب نے روزنامہ نوائے وقت میں شائع کی۔ اس کے آغاز میں وہ لکھتے ہیں:

”مولانا جلال الدین عمری، جماعت اسلامی ہند کے نائب امیر اور مسلمانانِ بھارت کی سربرآوردہ علمی شخصیت، اسلام اور دورِ حاضر کو درپیش مسائل سے متعلق کئی موضوعات پر علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ علی گرھ سے شائع ہونے والے سہ ماہی (مجلّہ) 'تحقیقات اسلامی' کے مدیر اور اعظم گڑھ میں قائم ممتاز درس گاہ جامعۃ الفلاح کے

شیخ الجامعہ بھی ہیں۔ یوں ان کی ذات میں علم، تحقیق، تعلیم و تدریس اور توسیعِ علم کے اوصاف جمع ہوگئے ہیں۔ مولانا جلال الدین عمری ان دنوں اسلام آباد کے سرکاری ادارے 'ادارہ تحقیقاتِ اسلامی' کے زیر اہتمام 'اجتماعی اجتہاد' پر ہونے والی عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ گزشتہ شب ادارۂ معارفِ اسلامی منصورہ لاہور نے ان کے ساتھ نشست کا اہتمام کررکھا تھا۔ مولانا عمری نے بیس منٹ تک خطاب کیا، پھر جچے تلے انداز میں سوالات کے جواب دیے۔ سید منور حسن میرِ محفل تھے، مولانا محمد ادریس مہتمم کے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ مولانا جلال الدین عمری نے آغازِ کلام کیا، گویا دبستاں کھل گیا۔ ایک مدت کے بعد گنگا اور جمنا میں ڈھلی ہوئی زبان سننے کا اتفاق ہوا۔ پچھلے ہفتے اسلام آباد میں 'اردو ہے جس کا نام' کے زیرِعنوان ایک عالمی کانفرنس ہوئی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق بڑے بڑے ادیب اور شعراء شریک ہوئے۔ زبان و کلام اور اظہار کے مختلف پہلو اور نت نئے اسالیب اس میں سامنے آئے ہوں گے، لیکن مولانا عمری کا لہجہ، طرزِ تکلم، الفاظ کا انتخاب، ان کی ادائیگی، اس پر مستزاد مسلمانانِ یوپی و دہلی کی تہذیبی روایات کی انعکاسی کرنے والی وضع قطع، سب نے مل کر ایسا سماں باندھا کہ گزرا ہوا عہد آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ میری نسل کے جن اہلِ پاکستان نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ان کے بڑے بھائی مولانا ابوالخیر مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، حکیم حبیب اشعرؒ، خواجہ محمد شفیع دہلویؒ اور حکیم سعید دہلویؒ جیسی شخصیات میں رچی بسی اس تہذیب کی جھلکیاں دیکھی ہیں، ان کے لیے مولانا جلال الدین عمری کی یہ نشست یوں سمجھئے کہ قندِ مکرر کا لطف دے گئی۔" (روز نامہ نوائے وقت، ۱۷؍مارچ ۲۰۰۵)

ان الفاظ میں حقیقت سے زیادہ محبت اور خلوص کا اظہار ہے۔ اسے ایک مہمان کی تکریم اور ہمت افزائی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وقت کے اکابر کے ساتھ ایک چھوٹے فرد کا نام بھی شامل کردیا گیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور اس حسنِ ظن کو پورا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

پنجاب یونی ورسٹی میں لیکچر

جب سے علمی دنیا سے تعارف ہوا پنجاب یونی ورسٹی کا نام سن رکھا تھا۔ یہ برّصغیر کی ان قدیم یونی ورسٹیوں میں سے ایک ہے جنھیں بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ اس کی بڑی خدمات ہیں۔ لاہور ایئرپورٹ سے جب ہم پنجاب یونی ورسٹی کے کیمپس کے قریب سے گزرے تو اسے دیکھنے کی خواہش ابھر آئی اور یہ طے ہوا کہ اس کا موقع ضرور نکالا جائے گا۔اسی اثناء میں یونی ورسٹی کے شعبۂ علومِ اسلامیہ کی جانب سے 'اسلامی تحقیق کی ضرورت، اہمیت اور طریقِ کار' کے موضوع پر خطاب کی دعوت دی گئی۔ میں نے بخوشی اسے منظور کرلیا۔ ۱۶/مارچ ۲۰۰۵ء کو صبح دس بجے پروگرام شروع ہوا۔ آڈیٹوریم میں شعبہ کے اساتذۂ کرام کے علاوہ ایم اے، ایم فل اور پی، ایچ، ڈی کے طلبہ و طالبات کئی سو کی تعداد میں موجود تھے۔حسبِ معمول تعارف کے بعد اظہارِ خیال کے لیے کہا گیا۔

میں نے عرض کیا کہ اسلامیات پر تحقیقی کام افراد کے ذریعہ بھی اور دینی اداروں ، جامعات اور یونی ورسٹیوں کے ذریعہ بھی ہوتا رہا ہے اور بعض بڑے قابلِ قدر کام انجام پائے ہیں۔یونی ورسٹیوں میں ریسرچ کے کام بالعموم دوطرح کے ہوتے ہیں: ایک کی نوعیت تاریخی ہے، جیسے افراد کی سوانح ، خدمات یا کسی خاص دور کا مطالعہ اور جائزہ۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے ماضی کی صحیح صورت حال سامنے آتی ہے، غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں اور ان سے سبق بھی سیکھا جاسکتا ہے۔ دوسرا کام مخطوطات کے ایڈٹ کرنے کا ہوتا ہے۔ اس سے قدیم مطبوعہ یا غیر مطبوعہ نسخے تصحیح کے ساتھ سامنے آتے ہیں اور استفادہ آسان ہوتا ہے۔ یہ علم کی بڑی خدمت ہے۔ اس میدان میں ماضی قریب میں عرب مصنفین نے قدیم عربی تصنیفات کی جس دقتِ نظر سے تحقیق کی اور انھیں ایڈٹ کیا ہے اس میں وہ سب سے آگے نظر آتے ہیں۔

دینی علوم کے ماہرین اور دینی اداروں کے موضوعات بالعموم وہ ہوتے ہیں جو خود ان کے درمیان زیر بحث رہتے ہیں، جیسے توحید، شرک، بدعت، فہم قرآن، فہم حدیث ان کی تعبیر وتشریح میں اختلاف، فقہی مسائل میں راجح مسلک کی تعیین وغیرہ۔ اس طرح کے مسائل پر ضخیم کتابیں اور رسائل لکھے گئے ہیں اور ہر ایک نے تحقیق و تجزیہ کی ممکن حد تک کوشش کی ہے، لیکن کچھ مسائل وہ بھی ہیں جو عالمی سطح پر زیرِ بحث ہیں اور ان کی طرف اسلامی محققین کوتوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج خدا کا وجود، رسالت کا ثبوت اور آخرت کا امکان ہی زیر بحث ہے۔ بہت سے لوگوں کے لیے یہی بات ناقابلِ تصور ہے کہ اسلام، جو پندرہ سو سال قبل آیا تھا، موجودہ دور میں بھی اس کی معنویت باقی ہے اور وہ ناقابل تغیر ہے۔ اسی طرح اسلام کی معاشرت، اس کے قوانینِ حدود و قصاص، عورت اور مرد کے حقوق اور ان کے دائرۂ کار، اسلام کا سیاسی فکر، اس کا تصورِ عدل و مساوات، غیرمسلموں سے تعلقات اور غیر اسلامی ریاست میں مسلمانوں کا کردار جیسے بہت سے موضوعات ہیں، جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان موضوعات پر کام نہیں ہوا ہے، بہت سی قیمتی تحقیقات موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ مزید تحقیق اور غور وفکر کا تقاضا کرتے ہیں۔

پروگرام ختم ہونے کے بعد صدرِ شعبہ کے ساتھ لائبریری دیکھنے کا موقع ملا۔ خاصی بڑی لائبریری ہے اور ریسرچ اسکالرس کی ضروریات بڑی حد تک پوری کرسکتی ہے۔

ادارۂ تعلیم و تحقیق کے اساتذہ کے ساتھ نشست

اس کے فوراً ہی بعد یونی ورسٹی کے 'ادارۂ تعلیم و تحقیق' کے اساتذہ کے ساتھ نشست تھی۔ بیس پچیس افراد شریک تھے۔ ان میں علمی موضوعات کے ساتھ ہندوستان اور پاکستان کے حالات بھی زیرِ بحث رہے۔ پنجاب یونی ورسٹی کا نیا کیمپس کافی وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ درمیان میں نہر ہے، اس کی وجہ سے منظر بڑا خوش نما ہے۔ اس کے

سرسری معائنہ کے لیے بھی کافی وقت چاہیے تھا۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے کچھ حصہ دیکھنے کا موقع ملا۔ دیر گئے واپسی ہوئی۔

مرکز جماعت میں ذمہ داروں کے درمیان اظہار خیال

۱۶/مارچ کو بعد عشاء ساڑھے آٹھ بجے سید منور حسن صاحب قیم جماعت اسلامی پاکستان نے مرکزِ جماعت میں 'تقریبِ ملاقات' کا اہتمام کیا۔ اس میں لاہور میں موجود جماعت کے ذمہ دار اصحاب اور بعض دوسرے احباب شریک ہوئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بہ یک وقت ان سب حضرات سے تعارف و ملاقات کا موقع نکل آیا۔ سید منور حسن صاحب کے ابتدائی کلمات کے بعد محترم قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان نے وحدتِ امت کے تصور پر اظہارِ خیال کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ مسلمان کسی بھی ملک میں ہوں، کوئی بھی زبان بولتے ہوں اور ان کے کتنے ہی رنگ روپ ہوں، وہ سب ایک ہیں۔ اسلام نے ان سب کو ایک امت بنایا ہے۔ ان سب کا مقصدِ حیات ایک ہے اور سب ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس امت کو اسلام ہی نے ایک رشتۂ وحدت میں پرویا ہے۔ اگر اس کے اندر یہ احساس جاگ اٹھے تو اس کا انتشار دور ہوسکتا ہے اور وہ اتحاد و اتفاق کی منزل کی طرف پیش قدمی کرسکتی ہے۔ اس سے عالمی سطح پر اس کے بہت سے مسائل حل ہوسکتے ہیں اور اس کی سربلندی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔

محترم قاضی صاحب کی تقریر کے بعد اس عاجز کو اظہارِ خیال کا حکم ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ اس دور کی ایک خاص بات یہ ہے کہ مختلف ملکوں میں اسلامی تحریکات کام کررہی ہیں ۔ ان سب کا مقصد اقامتِ دین ہے۔ اقامتِ دین کا تصور بڑا وسیع ہے۔ اس کا تعلق فرد، معاشرے اور ریاست ہر ایک سے ہے۔ اس کا پہلا مرحلہ فرد کا اپنی ذات پر دین قائم کرنا ہے۔ اس پر ہماری اصل توجہ ہونی چاہیے۔ اس کے بعد ہی سماج اور

ریاست پر دین کا قائم کرنا آسان ہوگا۔ اقامتِ دین کا کام دعوتِ دین سے شروع ہوتا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں جماعتِ اسلامی ہند کی کوششوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ جماعت نے ہندوستان کی تمام بڑی زبانوں میں قرآن و حدیث کے تراجم اور اسلامی لٹریچر تیار کیا ہے اور اسے عام کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ دلچسپی سے یہ باتیں سنی گئیں۔ پروگرام کے بعد عشائیہ تھا، جس میں سبھی حضرات نے شرکت کی۔

میاں طفیل محمد صاحب سے ملاقات

اسی دوران میں محترم جناب میاں طفیل محمد صاحب سے ملاقات کے لیے ان کے دولت کدے پر حاضری دی۔ محترم میاں صاحب سے اس سے پہلے میری دو ملاقاتیں کویت کے دو مختلف سفروں ہیں ہوچکی تھیں۔ان میں جماعت اسلامی ہند کے طریقۂ کار اور اس کی پیش رفت اور پاکستان میں جماعت اسلامی کے کام کی نوعیت اور اس کے اثرات پر بہت تفصیل سے بات ہوئی تھی۔ اس وقت بینائی کافی کم زور تھی، اس لیے وہ پہچان نہیں پائے اور حافظہ بھی شاید ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ میاں صاحب کا مولانا مودودی کے قدیم ترین رفقاء میں شمار ہوتا ہے۔ وہ ایک طویل عرصہ تک جماعت اسلامی پاکستان کے قیم رہے۔ مولانا مودودیؒ کے آخری دور میں، جب وہ علمی کاموں کے لیے فارغ ہوگئے، تو میاں صاحب جماعت اسلامی پاکستان کے امیر منتخب ہوئے۔ اس میں مولانا کا مشورہ شامل تھا۔ میاں صاحب جدید تعلیم یافتہ اور قانون کے گریجویٹ تھے، لیکن اسلام ان کی رگ و پے میں اترا ہوا تھا۔ وہ جماعت اسلامی پاکستان میں اپنی نیکی اور خدا ترسی کی وجہ سے بڑے احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی نمازیں قابل رشک ہوتی تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری مرحلہ میں جماعت اسلامی پاکستان کی بعض پالیسیوں سے اختلاف کی بنا پر اس سے ایک گونہ کنارہ کشی اختیار کرلی، لیکن جماعت سے ان کے نظریاتی تعلق میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ اس پر ثابت قدم رہے۔ اس

اختلاف کے باوجود میں نے دیکھا کہ مرکزِ جماعت کے افراد ان کا حد درجہ احترام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔

پاکستانی اخبارات کی جانب سے انٹرویو

ان چار دنوں میں کئی ایک اخبارات نے بہت تفصیل سے انٹرویو لیے۔ ان انٹرویوز میں ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال، اس کا سیکولر کردار، مسلمانوں کی تعلیمی کوششیں، مدارس کا نصاب، موجودہ دور میں اجتہاد کی اہمیت، جماعت اسلامی ہند کی خدمات، مسلم تنظیموں کی حالت، اسلام کی دعوت اور اس کے اثرات اور مسلمانوں کو درپیش دیگر بہت سے مسائل شامل تھے۔ ہفت روزہ 'تکبیر' کراچی کے نمائندے نے تین صفحات پر مشتمل اپنے انٹرویو پر حسبِ ذیل نوٹ لکھا، جس سے سوالات کی نوعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

''جماعتِ اسلامی ہند کے نائب امیر سید جلال الدین عمری گزشتہ دنوں لاہور تشریف لائے تو خواہش ہوئی کہ ان کے خیالات کی روشنی میں یہ دیکھا جائے کہ ایک مذہبی اور سیاسی رہنما کی حیثیت سے ان کی نظر میں بھارت کے سیاسی منظر نامے کے خدوخال کیا ہیں؟ ہندوغلبہ رکھنے والے معاشرے میں عام شہری بن کر رہنے اور ایک اسلامی جماعت کے قائد کے طور پر شب و روز گزارنے میں کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟ پاکستان اور بھارت کے مابین بہتر تعلقات کی جو کوشش ہورہی ہیں، بھارت کے مسلمان اور بالخصوص ہندو اکثریت اس میں کتنی دلچسپی رکھتی ہے؟ عام مسلمانوں کی بھارت میں کیا حالت ہے؟ وہ کن حالات سے گزر رہے ہیں؟ ملکی سیاست میں ان کا کیا کردار ہے؟ انہیں کوئی فیصلہ کن پوزیشن حاصل ہے یا نہیں؟ سماجی لحاظ سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ ان سے کی جانے والی گفتگو میں یہ جاننے کا موقع ملا کہ وہ اپنے ملک بھارت کے معاملات کو کس انداز سے دیکھتے ہیں؟''

(ہفت روزہ تکبیر کراچی، ۱۷ تا ۲۳ مارچ ۲۰۰۵ء)

اس سے بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ ہندوستان اور ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق پاکستانی عوام کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کیا ہیں اور وہ کس قسم کی معلومات چاہتے ہیں؟ ان سوالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی حالت زیرِ بحث نہیں آئی۔ اس سے دل چسپی بھی کم ہی محسوس ہوئی۔

روزنامہ 'جسارت' کراچی کے ہفت روزہ ایڈیشن 'فرائڈے اسپیشل' اور ہفت روزہ 'ایشیا' کے انٹرویوز بھی خاصے طویل اور ان اخبارات کے پانچ چھ صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ روزنامہ 'پاکستان' کا شمار وہاں کے بڑے اخبارات میں ہوتا ہے۔ اس نے پورے ایک صفحہ پر انٹرویو شائع کیا۔ ان اخبارات نے اس عاجز کے خیالات کو جو اہمیت دی اس کے لیے میں شکر گزار ہوں، گو کہ بعض مسائل میں میرے خیالات کی صحیح ترجمانی نہیں ہوسکی۔ بعض دوسرے اخبارات کے انٹرویوز مجھے نہیں مل سکے۔

لاہور کی سیر

۱۷/مارچ کو لاہور کی سیر کا پروگرام تھا، لیکن اس سے پہلے صبح نو بجے جامعہ مرکز علوم اسلامیہ لاہور میں اساتذہ و طلبا سے خطاب تھا۔ اس سے فارغ ہوکر جناب ملک محمد اشرف اعوان صاحب کے ساتھ لاہور کی سیر کے لیے نکلا۔ حضرت علی ہجویریؒ کے مزار پر حاضری دی۔ حضرت علی ہجویریؒ کا مقبرہ یا مزار شہنشاہ اکبر نے تعمیر کرایا تھا، اس لیے اس میں اس دور کے فنِ تعمیر کی شان نظر آتی ہے۔ بھٹو صاحب نے اپنے دورِ حکومت میں اس کے گیٹ پر سونے کی چادر چڑھائی تھی۔ آج کل یہ محکمۂ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ مقبرہ کے چاروں طرف وہی منظر دیکھا جو ہندوستان کی درگاہوں میں نظر آتا ہے۔ مزار پر نذرانے چڑھ رہے تھے، اس کے سامنے سجدے ہورہے تھے، دعائیں کی جارہی تھیں اور صاحبِ مزار سے استعانت و استمداد کے عمل میں سیکڑوں مرد و خواتین شریک تھے۔ یہ اس امت کا حال ہے جو توحیدِ خالص کی علم بردار ہے۔ مزار کے احاطے

سے باہر نکلے ہی تھے کہ تیز بارش کا سلسلہ شروع ہوگیا، لیکن ہمارا سفر جاری رہا۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی شاہی مسجد، مزارِ اقبال، منارۂ پاکستان وغیرہ دیکھنے کا موقع ملا۔ ۱۷/مارچ کی شب میں یہ عاجز اسلام آباد اس احساس کے ساتھ روانہ ہوا کہ لاہور مزید وقت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہاں کے بہت سے قدیم و جدید ادارے ہیں، جنہیں دیکھنا چاہیے تھا۔ بہت سی دینی، علمی و ادبی شخصیتیں ہیں جن سے ملاقات کرنی تھی، جو نہیں ہوسکی۔

اسلام آباد میں سمینار کے منتظمین سے ملاقات

دوستوں نے لاہور ایئر پورٹ پر الوداع کہا اور میں اسلام آباد روانہ ہوگیا۔ جہاز کسی قدر تاخیر سے روانہ ہوا اور ساڑھے نو بجے کے قریب اسلام آباد پہنچا۔ بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے استاد ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب ایئر پورٹ پر موجود تھے۔ ڈاکٹر عصمت اللہ سے میری ملاقات سعودی عرب کی ہے، جب کہ وہ مکہ مکرمہ میں زیرِ تعلیم تھے۔ یونی ورسٹی کی گاڑی میں ہم لوگ روانہ ہوئے۔ رات کا وقت تھا۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کا فطری حسن بجلی کی روشنی میں اپنے جلوے دکھا رہا تھا۔ ہم لوگ سیدھے ہوٹل چٹو رایل (Chateau Royal) پہنچے۔ یونی ورسٹی کی طرف سے یہیں قیام کا انتظام تھا۔ ہوٹل ہی میں ہم لوگوں نے کھانا کھایا اور رات گئے ڈاکٹر عصمت اللہ روانہ ہوگئے۔ صبح ڈاکٹر محمد طاہر منصوری صدر شعبۂ اسلامی قانون اسلامی یونی ورسٹی ہوٹل تشریف لائے۔ وہ سمینار کے آرگنائزر اور روحِ رواں تھے۔ اس کے لیے انہوں نے اس عاجز سے مسلسل رابطہ رکھا۔ وہ عربی اور اردو میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ روانہ ہوئے ہی تھے کہ محترم ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری تشریف لے آئے، جو اسلامی یونی ورسٹی میں اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہیں۔ اسی کے تحت سمینار ہورہا تھا۔ سمینار میں شرکت کا باضابطہ دعوت نامہ انہیں کی طرف سے تھا۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری علمی دنیا کی معروف شخصیت اور انگریزی کے ادیب ہیں۔ اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر (Leicester) لندن

سے بھی ان کا تعلق ہے۔ انھوں نے مولانا مودودیؒ کے ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی کا ترجمہ مکمل کرلیا ہے، جو اشاعت کے مرحلے میں ہے۔[1] اس کے علاوہ انہوں نے تفہیم القرآن کی تین جلدوں کا بعض دوسرے رفقاء کی مدد سے ترجمہ ہی نہیں کیا، بلکہ اسے ایڈٹ بھی کیا ہے، جو شائع ہوچکا ہے۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس سے آگے کتنا کام ہوسکا ہے۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ بڑی نستعلیق اور مہذب شخصیت ہے۔ بہت دھیمے اور شائستہ انداز میں بولتے ہیں۔ بڑی اپنائیت کے ساتھ خیریت اور حالات معلوم کرتے رہے اور یونی ورسٹی آنے کی دعوت دے کر روانہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد یونی ورسٹی کی گاڑی آ گئی۔ میں ان کے دفتر پہنچا، وہاں شعبہ کے بعض اساتذہ سے تعارف حاصل ہوا۔

فیصل مسجد

۱۸/مارچ جمعہ کا دن تھا۔ ڈاکٹر محمد طاہر منصوری کے ساتھ فیصل مسجد میں نماز پڑھی۔ فیصل مسجد بڑی کشادہ اور بہت خوب صورت ہے۔ نئی مسجدوں میں شاید ہندوپاک میں کوئی مسجد اتنی خوب صورت اور وسیع نہ ہوگی۔ مسجد اور اس کے حسنِ انتظام کو دیکھ کر انبساط اور سرور کی کیفیت محسوس ہوئی۔ بتایا گیا کہ اس حسین مسجد میں دو لاکھ افراد بہ یک وقت نماز ادا کرسکتے ہیں۔ مسجد میں خواتین کے لیے بھی نماز کا انتظام ہے اور وہ شریک بھی ہوتی ہیں۔ جمعہ میں خواتین کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ہلکی ہلکی بارش ہورہی تھی، اس لیے پوری مسجد دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ ہم لوگ مسجد پہنچے تو جامعہ کی مشہور شخصیت ڈاکٹر خالد مسعود صاحب تقریر کررہے تھے۔ عالم اسلام کے معروف عالم اور فقیہ وھبہ زہیلی نے،

---

(۱) اب یہ ترجمہ
Towards Understanding the Qur'an: Abrideged Version of Tafhimul Qur'an
کے نام سے اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر سے شائع ہوا ہے۔ ہندوستان میں مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی کی طرف سے بھی بڑے اہتمام سے اس کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔

جن کی کتاب 'الفقہ الاسلامی وادلتہٗ اسلامی فقہ پر ایک دائرۃ المعارف ہے، جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد ڈاکٹر محمد طاہر منصوری کے ساتھ اپنے مستقر ہوٹل پہنچا اور شام تک دوستوں سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔

سمینار کا افتتاحی اجلاس

۱۹/مارچ کو صبح ساڑھے دس بجے بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے خوب صورت آڈیٹوریم میں سمینار شروع ہوا۔ سمینار کا موضوع تھا 'اجتماعی، اجتہاد: تصور، ارتقاء اور عملی صورتیں'۔ اجتہاد کی اہمیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ شریعت کے دائمی اور ابدی ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر دور میں انفرادی اجتہاد ہوتا رہا ہے، یا سابقہ اجتہادات کی روشنی میں فتوے دیے گئے یا فیصلے ہوئے ہیں، لیکن موجودہ دور میں حالات اتنے بدل گئے ہیں اور مسائل اس قدر پیچیدہ ہوگئے ہیں کہ کسی ایک فرد کے لیے شریعت کی روشنی میں ہر معاملہ میں رہ نمائی کرنا دشوار ہے، اس لیے یہ رجحان ابھر رہا ہے کہ اجتہاد اجتماعی ہو۔ پیش نظر مسائل سے واقف کار افراد اور دین و شریعت کے ماہرین مل بیٹھیں اور آپس کے تبادلۂ خیال کے بعد اسلام کا موقف واضح کریں۔ اس مسئلے میں اللہ کا شکر ہے کہ مختلف ممالک میں علمی ادارے کام کررہے ہیں۔ ان میں ہندوستان کی اسلامک فقہ اکیڈمی کا بھی شمار ہوتا ہے۔ لیکن ابھی یہ طریقۂ کار عام نہیں ہے۔ اس پس منظر میں سمینار کا موضوع اہم تھا۔ اسے اجتہاد کی روایت کو آگے بڑھانے کی کوشش کہا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد طاہر منصوری نے سمینار کا بہت خوب صورت الفاظ میں تعارف پیش کیا۔ خیر مقدمی کلمات ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری کے تھے۔ ان کے اندازِ گفتگو کی طرح ان کی تحریر سے بھی تہذیب و شائستگی اور متانت کا اظہار ہوتا ہے۔ کلیدی خطبہ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کا تھا۔ محترم ڈاکٹر محمود غازی صاحب سے پہلے سے تعارف تھا۔ سمینار کے

دوران میں ان سے مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کا موقع ملا[1] ڈاکٹر وہبہ زہیلی سمینار کے مہمانِ خصوصی تھے۔ ان کی شرکت اور خطاب نے سمینار کے وقار میں اضافہ کیا۔ فقہ کے میدان میں اس وقت انھیں بڑا اعتبار حاصل ہے۔ آخر میں جناب وسیم سجاد صاحب سابق چیئرمین سینٹ نے صدارتی خطبہ پیش فرمایا۔ کلماتِ تشکر جناب خلیل الرحمٰن صاحب ریکٹر اسلامی یونی ورسٹی نے ادا کیے۔ وہ پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس رہ چکے ہیں۔ تین سال قبل حج میں تقریباً ایک ہفتہ ان کا ساتھ رہا۔ ان کی وضع قطع علماء کی سی ہے اور سیرت و اخلاق میں جاذبیت پائی جاتی ہے۔ انھیں حج کے ایام کی رفاقت یاد تھی۔ بڑی محبت سے ملے۔

سمینار میں ہندوستان سے اس خاکسار کے علاوہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی، مولانا محمد سعود عالم قاسمی، ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ اور مولانا فہیم اختر ندوی نے شرکت کی۔

---

(۱) ڈاکٹر محمود احمد غازی (وفات ۲۰۱۰ء) ایک معتبر علمی شخصیت کا نام ہے۔ وہ دینی علوم اور جدید افکار و نظریات سے براہ راست واقف تھے۔ اردو کے ساتھ عربی اور انگریزی پر اچھی قدرت حاصل تھی۔ ان میں بے تکلف اظہار خیال کر سکتے تھے۔ متعدد تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں ان کے محاضرات کو، جو کئی جلدوں پر مشتمل ہیں، بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ وہ ۲۰۰۴ء سے ۲۰۰۶ء تک بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد کے صدر رہے۔ ایک زمانہ میں اس کی دعوہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر بھی تھے۔ جنرل پرویز مشرف کے زمانہ میں وزیر رہے، لیکن اختلافات کی وجہ سے استعفٰی دے دیا۔ اگست ۱۹۹۷ء میں اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر، برطانیہ میں غازی صاحب اور اس عاجز کا ایک ہفتہ سے زیادہ ساتھ رہا۔ یہ ہم دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔ ایک موقع پر سعودی عرب میں وہ کسی ذمہ دار سے ملاقات کر رہے تھے۔ میں بھی اتفاق سے پہنچ گیا۔ لپک کر ملے اور محبت اور خلوص کا اظہار کیا۔ ۴/۵/جون ۲۰۰۸ کو سعودی حکومت کی جانب سے مکہ مکرمہ میں 'بین المذاہب تعلقات' پر سمینار تھا۔ ایک اجلاس کی انہوں نے صدارت بھی کی تھی۔ اس میں ان سے آخری ملاقات ہوئی۔ اس وقت وہ غالباً قطر کے کسی علمی ادارے سے وابستہ تھے۔ وہیں سے اس کانفرنس میں ان کی آمد ہوئی تھی۔ میری دو کتابوں: 'مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ' اور اسلام میں خدمت خلق کا تصور' کے انگریزی تراجم پر ان کے تفصیلی تبصرے اسلامک بک ریویو لسٹر میں شائع ہو چکے ہیں اور اب ان کتابوں کے نئے ایڈیشنوں میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

مقالات کی نشستیں

سمینار کی مختلف نشستیں رہیں۔ پہلی نشست اس عاجز کی صدارت میں ہوئی۔ موضوع تھا: 'اجتماعی اجتہاد: تصور، ارتقاء، شرعی حیثیت اور اصول و ضوابط'۔اس پر کئی پہلوؤں سے گفتگو ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ اجتماعی اجتہاد دراصل باہم مشورے سے کسی نتیجے تک پہنچنے کا نام ہے۔ ہمارے فقہاء نے قضا کے جو آداب بیان کیے ہیں ان میں اہلِ علم سے مشورہ بھی شامل ہے۔ اسے اجماع تو نہیں کہا جاسکتا، البتہ یہ اجماع کی طرف ایک طرح کی پیش قدمی ہے۔ اجتماعی غور وفکر کی اسلامی تاریخ میں دورِ اوّل سے روایت رہی ہے اور مسائل پر مل جل کر غور وفکر ہوتا رہا ہے، البتہ فقہ اسلامی کے مطالعہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون سا اجتہاد انفرادی اور کون سا اجتہاد اجتماعی ہے؟ اسی طرح اس کے اصول وضوابط بھی متعین نہیں ہیں، ان کی تعیین کی کوشش ہونی چاہیے۔

سمینار کا آخری اجلاس برادرم خالد سیف اللہ رحمانی کی صدارت میں ہوا، جس کا موضوع تھا: 'اجتماعی اجتہاد اور اہم عصری مسائل'۔اس طرح سمینار کے آغاز اور اختتام کا اعزاز دو ہندوستانیوں کو حاصل ہوا۔

توسیعی خطابات

سمینار کی خاص بات یہ تھی کہ پہلے اور دوسرے روز بعد مغرب توسیعی خطابات تھے۔ پہلے روز اس عاجز کا اور مولانا جاوید احمد غامدی صاحب کا خطاب تھا۔ جاوید احمد غامدی صاحب اپنے بعض جدید خیالات کی وجہ سے وہاں زیرِ بحث رہتے ہیں۔ بجلی کی خرابی کی وجہ سے میں آڈیٹوریم میں دیر سے پہنچا۔ ان کی تقریر سے استفادہ نہ کرسکا۔ میں نے اپنے خطاب میں کہا کہ عبادات اور معاشرت کے احکام، شریعت میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، جن میں اجتہاد کی ضرورت کم ہی پیش آتی ہے۔ اس سلسلے میں جو طویل بحثیں ہمارے ہاں موجود ہیں ان کا تعلق زیادہ تر اس امر سے ہے کہ ان احکام کی

نوعیت کیا ہے؟ یہ کس شکل میں انجام دیئے جائیں گے؟ اور ان پر صحابۂ کرام کا کس طرح عمل ہوتا رہا ہے؟ اجتہاد کی ضرورت عام طور پر معاملات اور سیاسی امور و مسائل میں پیش آتی ہے۔ ان میں شریعت نے زیادہ تر اصولی ہدایات دی ہیں۔ موجودہ حالات پر ان کا انطباق اور ان کی روشنی میں اسلامی احکام کو معلوم کرنا ایک اہم ضرورت ہے۔ یہ ضرورت اجتہاد ہی کے ذریعہ پوری ہوسکتی ہے اور اس میں اجتماعی کوشش بھی ہونی چاہیے۔[۱]

سمینار کی صدارت محترم مولانا محمود احمد غازی صاحب، صدر اسلامی یونی ورسٹی فرما رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ جن دو اصحاب نے اس وقت خطاب کیا، بعض مسائل میں ان کا اندازِ فکر مختلف ہوسکتا ہے، لیکن ہمیں خوشی ہے کہ اجتہاد کی ضرورت، اس کے دائرۂ کار اور اجتماعی اجتہاد کی ضرورت پر ان کا اتفاق ہے۔

سمینار کے دوسرے روز بھی ڈاکٹر محمد خالد علوی کی صدارت میں توسیعی خطابات کا پروگرام تھا۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا ابو عمار زاہد راشدی صاحب نے خطاب کیا۔ مولانا زاہد راشدی کا زور اس بات پر تھا کہ پاکستان میں اجتماعی اجتہاد کا عمل جاری ہے۔ انھوں نے سیاسی طور پر جو مشترکہ کوششیں ہوئیں انھیں اجتماعی اجتہاد قرار دیا۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے سنجیدہ انداز میں اس سے اختلاف کیا اور اس کی نوعیت واضح کی۔ آخر میں ڈاکٹر خالد علوی صاحب کے خطاب سے اس کی مزید وضاحت ہوئی۔

پاکستانی ٹیلی ویژن پر پروگرام

۲۱ر مارچ کو سمینار ہی سے متعلق پاکستانی ٹیلی ویژن سے ڈاکٹر خالد علوی، مولانا عبدالرحمٰن مدنی اور اس عاجز کا پروگرام نشر ہوا۔ سوالات اجتماعی اجتہاد پارلیمنٹ کے حقِ اجتہاد اور عورت کی امامت وغیرہ سے متعلق تھے۔ میں نے عورت کی امامت کے

---

(۱) اس موضوع پر راقم نے اپنے ایک مضمون میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ عنوان ہے: اسلامی شریعت میں اجتہاد کا عمل۔ ملاحظہ ہو مجموعۂ مقالات 'تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث، ناشر، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

ذیل میں عرض کیا کہ اس پر امت کا اتفاق ہے کہ عورت نماز میں مردوں کی امامت نہیں کرسکتی، دورِ اوّل سے آج تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عورت عورتوں کی جماعت کی امامت کرسکتی ہے یا نہیں؟ میرے خیال میں یہ جائز ہے اور سلف سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔[1]

سمینار میں مقالہ کی خواندگی

اسی روز جناب ڈاکٹر خالد مسعود صاحب کی صدارت میں میں نے اپنا مضمون 'دارالاسلام اور دارالحرب کا تصور جدید عالم گیریت کے سیاق میں' پیش کیا۔ میں نے عرض کیا کہ فقہاء نے یہ تقسیم اپنے دور کے پس منظر میں کی ہے، اس کی بنیاد پر پورے اسلام کے تصورِ سیاست پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ یہ تقسیم جن مخصوص حالات میں کی گئی تھی وہ تبدیل ہو چکے ہیں۔ اس پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔[2]

مجھے دل چسپی صحت کے موضوع سے رہی ہے۔ چنانچہ 'صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات' کے عنوان سے میری ایک ضخیم کتاب ۱۹۹۴ء میں شائع ہوچکی ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۲ء میں اور تیسرا ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کا ملیالم زبان میں ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب نے کویت کے ادارے 'المنظمۃ العالمیۃ للعلوم الطبیۃ' پر اپنا مقالہ پیش فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس ادارہ نے اس موضوع پر خاصا کام کیا ہے اور متعدد سمینار کرچکا ہے اور اس کی تحقیقات بھی سامنے آ چکی ہیں۔ افسوس کہ اس ادارہ سے میرا کوئی ربط نہیں رہا، ورنہ اس کی معلومات سے استفادہ کیا جاسکتا تھا اور میری کتاب بھی شاید ادارہ کے لیے قابل توجہ ہوتی اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتا۔

---

(۱) اس کی تفصیل عاجز کی کتاب 'عورت - اسلامی معاشرے میں' میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

(۲) یہ مضمون 'دارالاسلام اور دارالحرب کا تصور- جدید عالمی پس منظر میں' کے عنوان سے 'تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث' میں شامل ہے۔

سمینار کا ابتدائی خاکہ بہت خوب صورت اور جامع تھا، جس میں بہت سے نئے موضوعات کی نشان دہی کی گئی تھی، لیکن چند ایک موضوعات ہی زیر بحث آ سکے۔ سمینار میں گو کہ مختلف حلقوں کی نمائندگی تھی، لیکن یہ اس سے زیادہ نمائندہ ہوسکتا تھا۔ خود پاکستان کے بعض بڑے اداروں اور اہم شخصیات کی کمی محسوس ہورہی تھی۔ سمیناروں میں مقالات پڑھے تو جاتے ہیں، لیکن بالعموم نتیجہ خیز گفتگو نہیں ہو پاتی۔ یہ صورت حال یہاں بھی رہی۔ سمینار کے آخر میں بعض قرار دادیں منظور کی گئیں۔

اسلام آباد کی سیر

تقسیم ملک کے بعد پاکستان کی راجدھانی کراچی تھی۔ صدر ایوب خاں کے دور میں راجدھانی اسلام آباد منتقل ہوگئی۔ اسلام آباد کا محل وقوع بڑا حسین اور خوب صورت ہے۔ سرسبز و شاداب اور رنگین پہاڑیوں کے درمیان واقع یہ شہر اپنے اندر بڑی دل کشی رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ اسے ایک منصوبے کے تحت اس طرح بسایا جارہا ہے کہ اس کا فطری حسن متاثر نہ ہو۔ ایک سیکٹر اور دوسرے سیکٹر کے درمیان خاصی طویل سبز پٹی (Green Belt) ہے۔ اس کے اطراف و اکناف کے علاقے بھی اپنی خوب صورتی کے لیے مشہور ہیں۔ خاص طور پر 'مرّی' کا ذکر آتا رہا ہے۔ جی چاہتا تھا کہ ان مقامات کو گھوم پھر کر دیکھا جائے، لیکن سمینار کے دوران میں مسلسل بارش کی وجہ سے اس گل گشت کا موقع نہیں ملا۔ ۲۲/مارچ کو یونی ورسٹی کی طرف سے سیر و تفریح کا پروگرام بن سکتا تھا، لیکن میں نے بعض پیشگی مصروفیات کی وجہ سے معذرت کرلی۔ البتہ ۲۲/کی صبح خلیل الرحمٰن چشتی صاحب کے صاحب زادے ۹/بجے مجھے ہوٹل سے لے گئے اور اسلام آباد کے بعض خاص مقامات کی سیر کرائی اور حسبِ پروگرام ایک بجے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز (Institute of Policy Studies) یا (I.P.S.) پہنچا دیا۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز

یہ اپنی نوعیت کا ایک اہم تحقیقی ادارہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تعلیم، سیاست، معیشت، صنعت اور ٹکنالوجی کے میدانوں میں عالمی سطح پر جو پالیسیاں وضع کی جاتی ہیں اور جو براہ راست یا بالواسطہ امتِ مسلمہ پر اثر انداز ہوسکتی ہیں،ان کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے اور آج کے حالات میں اسلام ان کا جو متبادل حل پیش کرتا ہے، اسے سامنے لایا جائے۔ اس کے پس منظر میں خاص طور پر پاکستان ہوتا ہے۔I.P.S اب تک ان موضوعات پر ایک سو ترسٹھ (۱۶۳) کتابیں شائع کرچکا ہے۔ سات جرائد و رسائل یہاں سے نکل رہے ہیں۔ مختلف موضوعات پر ایک ہزار سے زیادہ رپورٹیں اس کے پاس موجود ہیں۔ اس ادارے سے پاکستان اور بیرون پاکستان کی بعض ممتاز شخصیتیں وابستہ ہیں۔ اس کی قیادت و سربراہی محترم پروفیسر خورشید احمد کررہے ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد عالمی شہرت کے حامل ماہرِ معاشیات ہیں۔ وہ حکومت پاکستان میں وزیر اور پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین رہ چکے ہیں۔ وہ زندگی کے مختلف معاملات و مسائل میں اپنے خطابات اور لکچرس کے ذریعہ اسلام کی ترجمانی کے فرائض آج بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ ان کی اسلامی خدمات پر انھیں ۱۹۹۰ء میں فیصل ایوارڈ مل چکا ہے۔ ایوارڈ کے بعد سعودی عرب میں ان کے دوست احباب نے مبارک باد کی تقریب رکھی تھی۔ اتفاق سے اس وقت میں سعودی عرب میں تھا۔ میں نے بھی اس تقریب میں شرکت کی۔ یہ ان سے میری پہلی ،لیکن رسمی سی ملاقات تھی،جو تبریک وتہنیت سے آگے نہ بڑھ سکی۔

اس کے کئی سال بعد لیسٹر میں ان سے تفصیلی ملاقاتیں رہیں۔اس کا موقع خود انھوں نے فراہم کیا۔ اگست ۱۹۹۷ء کی بات ہے کہ برطانیہ کے وہ مسلم نوجوان جو تحریک اسلامی سے تعلق رکھتے تھے، ان کا ایک ماہ کا سمر کیمپ اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر میں رکھا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ان نوجوانوں کی اسلامی معلومات میں اضافہ کے ساتھ دینی ماحول میں ان کی تربیت بھی ہو۔ اس میں باہر کے بعض اصحاب علم کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

پروفیسر خورشید احمد صاحب نے اس خاکسار کو ان نوجوانوں کے ساتھ ایک ماہ قیام کی دعوت دی۔ میں انگلینڈ جانے کے لیے آمادہ ہوگیا، لیکن ایک ماہ کی مدت وہاں گزارنا مشکل تھا۔ میں نے کہا کہ میں کیمپ کے لیے ایک ہفتہ دے سکتا ہوں، اس کے بعد برطانیہ کے دوسرے شہر بھی دیکھنے کی خواہش ہے۔ خورشید صاحب نے دونوں باتیں مان لیں اور میں ۱۱راگست ۱۹۹۷ء کی شام کو لندن ایئر پورٹ پر اترا۔ دو ایک نوجوان ایئر پورٹ آ گئے تھے۔ انھوں نے لندن کا مشاہدہ کراتے ہوئے اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر پہنچا دیا۔ حسب پروگرام ایک ہفتہ قیام رہا۔ مجھے فقہ اسلامی کا موضوع دیا گیا تھا۔ میں نے فقہ اسلامی کی خصوصیات، فقہ اسلامی عہد صحابہ و تابعین میں، فقہ اسلامی تبع تابعین کے عہد میں، ائمہ اربعہ اور ان کی خدمات، فقہ کی تشکیل میں امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کا کردار، جیسے موضوعات پر لیکچرس دیے۔ اس ایک ہفتہ کے قیام کے دوران میں خورشید احمد صاحب سے کئی ملاقاتیں رہیں۔ وہ اپنے مکان پر بھی لے گئے۔ خاصی بے تکلفی کے ساتھ مختلف مسائل پر گفتگو اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملا۔ کیمپ کے بعد لندن کی سیر کی، گلاسکو وغیرہ جانا ہوا۔

پروفیسر خورشید احمد صاحب ان اصحاب میں سے ہیں جو اس بے علم کی خدمات کی قدر کرتے ہیں اور برملا اس کے اظہار میں جنھیں تامل نہیں ہوتا۔ ان سے ایک طرح کی قربت اور انس محسوس ہوتا ہے۔ وہ بار بار کہتے ہیں کہ تمہاری تحریروں کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیے۔ ان کی خواہش میری بھی خواہش ہے، لیکن اب تک صرف بعض کتابوں ہی کا ترجمہ ہوسکا ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ مزید تراجم کی کیا صورت ہوگی؟

I.P.S. کے ایکزیکیٹیو ڈائریکٹر خالد رحمٰن صاحب ہیں۔ ان کا پس منظر بھی معاشیات کا ہے۔ ادارہ کے عملاً وہی نگراں ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ انھیں بھی میرے موضوعات سے دلچسپی ہے اور بڑے پیمانے پر میری تحریروں کی اشاعت چاہتے ہیں۔

'عورت اور معیشت' کے عنوان پر لیکچر

اسلام آباد پہنچنے کے دوسرے ہی روز خالد رحمٰن صاحب قیام گاہ پر تشریف لائے اور ۲۲/مارچ کو تین بجے I.P.S. میں میرا پروگرام طے ہوگیا۔ موضوع تھا 'عورت اور معیشت'۔ مجھے اسلام کے نقطۂ نظر وضاحت کرنی تھی۔ منتخب مجمع تھا۔ سو سے زیادہ ہی افراد شریک رہے ہوں گے۔ اس میں خواتین کی تعداد بھی کم و بیش ایک تہائی ضرور تھی۔ اجلاس کے آغاز میں پروفیسر خورشید احمد صاحب نے اس عاجز کے تعارف میں کہا کہ انھوں نے بعض بالکل نئے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور بعض موضوعات، جن پر ہمارے ہاں صرف اشارات ملتے ہیں، ان کی تفصیل فراہم کی اور انہیں مدلل کیا ہے۔ ان کے ہاں موضوعات کا بڑا تنوع ہے۔ پھر بعض نامور شخصیات کے ذیل میں اس عاجز کا نام لیا تو میری آنکھوں سے ندامت کے آنسو رواں ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان سے دل لبریز ہوگیا کہ اس نے ایک طالب علم کی معمولی خدمات کو یہ وقار اور اعتبار بخشا کہ اہلِ علم انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

میں نے اپنے خطاب میں عرض کیا کہ اسلام نے معاشی ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے۔ بیوی بچوں کا نان نفقہ اس پر لازم ہے۔ ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کی کفالت کا بوجھ بھی بسااوقات اسے اٹھانا پڑتا ہے، اس لیے وہ معاشی جدوجہد پر مجبور ہے۔

عورت پر معاشی ذمہ داریاں نہیں ہیں، اس لیے وہ شرعاً اس کے لیے نہ مجبور ہے اور نہ مجبور کی جاسکتی ہے، لیکن معاشی جدوجہد کا حق وہ ضرور رکھتی ہے۔ البتہ اسے دو باتیں پیش نظر رکھنی ہوں گی: ایک یہ کہ اس کی خانگی ذمہ داریاں مقدم ہیں، انھیں وہ نظر انداز نہیں کرسکتی، لیکن یہاں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جوانی میں عورت کی خانگی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ کم ہوتی چلی جاتی ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ بہت سی ذمہ داریاوں سے عملاً سبک دوش ہوجاتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ گھر سے باہر معاشی جدوجہد کے لیے اسے شوہر سے اجازت لینی ہوگی، اس لیے کہ گھر اور خاندان کے نظام کو برقرار رکھنے ہی کے لیے شوہر اس کا نان نفقہ برداشت کرتا ہے۔ ان امور کی پابندی کرتے ہوئے وہ اخلاقی حدود میں ملازمت، تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت کسی بھی میدان میں کام کرسکتی ہے۔ شریعت کی رو سے وہ اپنے مال و جائداد اور آمدنی کی خود مالک ہے۔ جو کچھ حاصل کرے گی اس کا اپنا ہوگا اور وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرسکتی ہے۔ شریعت کے نقطۂ نظر سے وہ صاحبِ نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ وہ اپنے قریبی عزیزوں کی وارث ہوتی ہے اور اس کی وراثت دوسروں کو منتقل ہوتی ہے۔

تقریر ختم ہونے کے بعد سوالات کا وقفہ تھا۔ سوالات مختلف نوعیت کے تھے۔ ان کا تعلق پاکستان اور عالمی صورت حال دونوں سے تھا۔(۱)

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ I.P.S. کی رہنمائی میں خواتین کا ایک گروپ ان مسائل کا گہرائی سے مطالعہ کررہا ہے اور حکومتِ پاکستان جو اقدامات کررہی ہے اور معاشرے پر اس کے جو اثرات مرتب ہورہے ہیں ان کا بھی اسے شدید احساس ہے۔ آخر میں ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے اپنے صدارتی خطاب میں مغربی اقدار اور اسلامی اقدار کے مابین فرق کو واضح کیا اور بتایا کہ ہم اس کی ہر بات کی تقلید نہیں کرسکتے۔ ہمیں اسلامی تعلیمات کے پس منظر میں غور کرنا ہوگا۔

---

(۱) اس موضوع پر میں نے اپنے خطاب اور سوالات و جوابات کو سی ڈی کی مدد سے تحریری شکل دے دی۔ یہ دونوں چیزیں 'عورت اور معیشت' کے عنوان سے میری کتاب 'اسلام کا عائلی نظام' میں شامل ہیں۔ ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ اس کا انگریزی ترجمہ انسٹی ٹیوٹ کے مجلّہ Policy Perspective کے جون ۲۰۰۸ء کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے۔ یہ مضمون ایک اور مضمون کے ساتھ Muslim Women And Economic Enterprises کے عنوان سے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے شائع ہوچکا ہے۔

ڈاکٹر انیس احمد صاحب سے ملاقات

ڈاکٹر انیس احمد صاحب کا نام عرصہ سے سن رکھا تھا۔ غالباً کسی وقت ان سے ہندوستان میں ملاقات ہوئی تھی۔ ان سے ملاقات کو جی چاہ رہا تھا۔ وہ خود بھی ملاقات کے خواہش مند تھے۔ وہ ایک معروف اسکالر ہیں۔ اسلامی یونی ورسٹی ملیشیا میں صدر شعبۂ اسلامیات اور اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد میں دعوہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر رہے ہیں۔ ایک پرائیوٹ یونی ورسٹی Riphah International University کے وائس چانسلر ہیں۔ I.P.S. سے ان کا قریبی تعلق ہے۔ یہاں سے ان کی ادارت میں 'مغرب اور اسلام' کے نام سے ایک سہ ماہی مجلّہ نکلتا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا اردو میں غالباً واحد مجلّہ ہے۔ اس کے ہر شمارے میں کسی نہ کسی موضوع پر مغرب کے اہلِ فکر کے مضامین کا ترجمہ یا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ اداریہ میں یا الگ سے کسی مضمون میں ان کا نوٹس لیا جاتا ہے۔ وہ سفر پر روانہ ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے I.P.S. میں ملاقات رہی اور تشنگی کا احساس چھوڑ گئی۔

الفوز اکیڈمی میں لیکچر

۲۲ رہی کو I.P.S. سے فارغ ہونے کے بعد 'الفوز' اکیڈمی پہنچا۔ یہ اکیڈمی تعلیم یافتہ اشخاص میں اسلام کا فہم عام کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کے لیے قرآن وحدیث کے دروس کا سلسلہ جاری ہے۔ دینی موضوعات پر مفید کتابیں اور رسائل بھی اس نے شائع کیے ہیں۔ عربی کی تعلیم کا ذوق پیدا کیا جا رہا ہے اور اس کے لیے بعض کتابیں مرتب کی گئی ہیں۔ اس کے صدر جناب محمد خاں منہاس صاحب ہیں، جو ملک اور بیرون ملک میں اعلیٰ مناصب پر کام کر چکے ہیں اور اس وقت بھی بعض اداروں کو ان کی خدمات حاصل ہیں۔ اس کے سکریٹری مولانا خلیل الرحمٰن چشتی صاحب ہیں۔ ان کی پیدائش ہندوستان کے شہر حیدرآباد کی ہے، لیکن انہوں نے ایک عرصہ آسٹریلیا میں گزارا ہے۔ وہاں کی شہریت بھی انھیں حاصل تھی۔ وہ سعودی عرب اور کویت میں بھی رہے ہیں اور

اب انھوں نے اسلام آباد کو وطن بنالیا ہے۔ ان حضرات سے ۲۲؍کی شام کو الفوز اکیڈمی میں میرا پروگرام طے تھا۔ اکیڈمی کی مسجد کی نچلی منزل میں پروگرام تھا۔ ہال بھرا ہوا تھا۔ خواتین کے لیے الگ نظم تھا۔ میں نے تفصیل سے موجودہ عالمی صورت حال اور عالم اسلام پر ہونے والی فکری یورش کا ذکر کیا اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ ان حالات میں ہمارے کرنے کا کیا کام ہے۔ بڑے صبر وسکون سے حاضرین نے باتیں سنیں۔ بعد میں سوالات بھی ہوئے، جن کے جوابات دیئے گئے۔

کراچی روانگی

۲۳؍مارچ کی صبح ۷ بجے اسلام آباد سے کراچی روانگی تھی۔ ۲۳؍کو پاکستان کا قومی دن منایا جاتا ہے، اس وجہ سے جہازوں کی آمد ورفت متاثر تھی، چنانچہ ساڑھے دس بجے کا اعلان ہوا۔ مولانا خلیل الرحمٰن چشتی نے رخصت کیا۔ لیکن عملاً جہاز نے ۱۲؍بجے پرواز کی اور پونے دو بجے کراچی ایئر پورٹ پر لینڈ کیا۔ میں جہاز سے نکل کر چند ہی قدم چلا تھا کہ ایک نوجوان میرے نام کی تختی لیے کھڑے تھے، جن کا تعلق ایئرپورٹ کے عملے سے تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر ان سے ملاقات کی اور چند ہی منٹ میں ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ استقبال کے لیے بالکل نئے احباب جمع تھے۔ میرے اور ان کے درمیان سوائے دین کے رشتہ کے اور کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں زندگی میں دین کا صرف نام لیتا رہا ہوں۔ اس کی برکت ہے کہ بہت سے وہ افراد بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں جن سے میں ناواقف ہوں۔ اگر کوئی شخص دین کی خدمت خلوص کے ساتھ کرے تو دلوں پر اس کی حکم رانی قائم ہوجائے۔ کراچی میں میرا قیام 'قصرِ ناز' میں تھا۔ یہ سرکاری مہمان خانہ ہے۔ یہاں بالعموم پاکستانی اسمبلی اور پارلیمنٹ کے ممبران اور اسی طرح کے اصحاب ٹھہرتے ہیں۔ یہ بڑی وسیع اور کشادہ عمارت ہے۔ چاروں طرف کمرے اور درمیان میں خوب صورت صحن ہے۔ کمرے بہت صاف ستھرے ہیں۔ احاطے میں چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ پانچوں وقت نماز ہوتی ہے۔

جامعہ حنیفیہ میں خطاب

کراچی میں بڑا ہی مصروف وقت گزرا۔ ہر روز کئی ایک پروگرام ہوئے۔ ۲۴/مارچ کو جامعہ حنیفیہ جانا ہوا۔ یہ جماعتِ اسلامی پاکستان کا قائم کردہ دینی ادارہ ہے۔ یہاں درسِ نظامی کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے۔ اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کے ذریعہ مستند علماء دین پیدا ہوں گے۔ یہاں علماء کی تنظیم 'جمعیۃ اتحادالعلماءٔ کے نام سے کام کررہی ہے اور جمعیت طلبۂ عربیہ بھی موجود ہے۔ جامعہ حنیفیہ میں ان سب کا مشترکہ پروگرام تھا۔

میں نے دینی تعلیم کی اہمیت اور علماء دین کی ذمہ داریاں واضح کیں اور بتایا کہ امت کے اتحاد و اتفاق کے لیے علماء کا اتحاد و اتفاق ضروری ہے۔ اس کے لیے اختلافی مسائل میں وسعتِ ذہن ہونی چاہیے۔ فقہی مسائل میں ہر مجتہد کے پاس دلائل ہیں، اس لیے کسی کو برسرِ باطل نہیں کہا جاسکتا۔ اختلافی مسائل پر ہمارے اسلاف نے جو کتابیں لکھی ہیں ان سے اس کی اچھی وضاحت ہوتی ہے۔ یہ نشست ایک گھنٹے سے زیادہ جاری رہی اور مجلس میں موجود علماء نے بتایا کہ اسی نہج پر ان کی کوششیں ہورہی ہیں۔

ادارۂ نورِ حق میں خطاب

اسی روز ادارۂ نورِ حق میں بعد مغرب جماعتِ اسلامی کراچی کا اجتماع تھا۔ ایک ہزار سے زیادہ کارکن جمع تھے۔ کراچی کے امیرِ جماعت ڈاکٹر معراج الہدیٰ صاحب نے نپے تلے انداز میں بہت مفصل تقریر کی۔ حزبِ اختلاف کے ممتاز قائد قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعتِ اسلامی پاکستان نے بھی خطاب فرمایا اور ملک کی سیاسی، معاشی اور تعلیمی صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ اس وقت جماعتِ اسلامی پاکستان متحدہ مجلسِ عمل کے ساتھ مل کر کام کررہی ہے اور بڑے بڑے شہروں میں اس کے کامیاب ملین مارچ نے، اس میں شک نہیں، ثابت کردیا ہے کہ وہ ملک کی ایک بڑی سیاسی طاقت ہے۔ میری

تقریر دینی و اخلاقی نوعیت کی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ جماعتِ اسلامی اقامتِ دین کے نصب العین کو لے کر اٹھی ہے۔ اقامتِ دین کا عمل ہر فرد کی ذات سے شروع ہونا چاہیے۔ اسی سے معاشرے میں دین کی اقامت اور حکومت و ریاست میں دین کی حکم رانی ہوگی۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست اور معاشرے میں اللہ کے دین کی حکم رانی ان ہی افراد کے ذریعہ قائم ہوگی جو اپنے اوپر دین قائم کرلیں۔ مجمع نے یہ باتیں توجہ سے سنیں۔

مولانا شبیر عثمانیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کے مزارات پر حاضری

۲۵؍مارچ نماز جمعہ بعض دوستوں کے ساتھ مسجد عثمانیہ میں پڑھی۔ اس کے عقب میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مزارات ہیں۔ ان پر حاضری دی اور مرحومین کے لیے رفع درجات کی دعائیں کیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم، مسلم لیگ کی نمایاں شخصیت تھے۔ پاکستان کی تحریک میں انھوں نے لیگ کا ساتھ دیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح صاحب سے بھی وہ قریب تھے، لیکن میرے لیے ان کی علمی حیثیت زیادہ اہم تھی۔ انھوں نے مسلم شریف کی شرح فتح الملہم کے نام سے شروع کی، لیکن اس کے نصف اول ہی کی شرح وہ لکھ سکے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ترجمۂ قرآن پر ان کی تفسیری کاوش معروف ہے۔ اس سے بڑے پیمانے پر استفادہ ہورہاہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ اسلامیات کے نام ور عالم اور محقق تھے۔ ان کی متنوع اور وسیع علمی خدمات ہیں۔ علامہ شبلیؒ نے سیرۃ النبی کا جو کام شروع کیا تھا، اسے انہوں نے مکمل کیا۔ اس عاجز نے جن اصحاب علم سے مطالعہ، تلاش و جستجو اور حوالوں کے ساتھ بات پیش کرنے کا سلیقہ سیکھا، ان میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کا نام نمایاں ہے۔ اس طرح انہیں میرے استاد کی حیثیت حاصل ہے۔

بعض اخبارات کے لیے انٹرویو

اسی دوران میں نوائے وقت کے ہفت روزہ فیملی میگزین کی معاون مدیر صوفیہ یزدانی نے اپنے ہفت روزہ کے لیے تفصیلی انٹرویو لیا، جس میں ملکی اور عالمی مسائل کے ساتھ خواتین سے متعلق مسائل بھی تھے۔ اسی طرح ہفت روزہ 'وجود' کو بھی انٹرویو دیا، جس میں خاص طور پر تحریکی موضوعات زیر بحث آئے۔

کراچی یونی ورسٹی کا دورہ

۲۶/مارچ کے پروگرام میں کراچی یونی ورسٹی کو دیکھنا شامل تھا۔ بعض دوستوں کے ساتھ عربی اور اسلامیات کے شعبوں میں جانا ہوا۔ ڈاکٹر نظام الدین منصوری چیئرمین شعبۂ علوم اسلامی اور ڈاکٹر محمد اسحاق صدر شعبۂ عربی اور دیگر اساتذہ سے ملاقات ہوئی۔ سبھی احباب اس عاجز سے کسی نہ کسی درجہ میں واقف نکلے، اس لیے اجنبیت کا احساس بالکل نہیں ہوا۔ بڑی محبت اور یگانگت سے بات ہوئی۔ ڈپارٹمنٹ کی لائبریری دیکھی۔ یونی ورسٹی کی مرکزی لائبریری کو جو ڈاکٹر محمود حسین لائبریری کے نام سے موسوم ہے، سرسری طور پر دیکھنے کا موقع ملا۔ ہر موضوع سے متعلق نئی نئی کتابیں اور قدیم کتابوں کے نئے ایڈیشن اس قدر تیزی سے سامنے آرہے ہیں کہ آدمی کی پوری زندگی بھی ان کے مطالعہ کے لیے ناکافی ہے۔ وہ کسی بھی موضوع کی صرف منتخب کتابوں ہی کا مطالعہ کرسکتا ہے۔

اسلامک انسٹی ٹیوٹ میں لیکچر

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اسلامک انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ کنٹمپریری اسٹڈیز (I.I.C.S.) کی دعوت پر وہاں حاضری دی۔ یہ ایک نیا ادارہ ہے۔ اس کا مقصد مدارسِ عربیہ کے فارغین کو مختلف موضوعات پر مزید مطالعہ و تحقیق کا موقع فراہم کرنا اور انہیں اس پہلو سے تیار کرنا ہے کہ وہ آج کے حالات میں اسلام کی رہنمائی کا

فرض انجام دے سکیں۔ یہاں کے طلبہ اور اساتذہ کے درمیان 'عصرِ حاضر میں اجتہاد' کے موضوع پر خطاب رہا۔ بعد میں سوالات بھی ہوئے، ان کا جواب دیا گیا۔

مولانا مودودیؒ پر دستاویزی فلم کے لیے انٹرویو

جناب شمیم احمد صاحب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ پر ایک دستاویزی فلم تیار کر رہے ہیں۔ ان سے انٹریو طے تھا۔ وہ میری قیام گاہ 'قصرِ ناز' میں اپنی ٹیم کے ساتھ بعد مغرب پہنچ گئے۔ مولانا مودودیؒ کے علمی مقام و مرتبہ، ان کی خدمات، موجودہ دور میں ان کے افکار و خیالات کی معنویت اور مولانا سے میرا ذہنی و فکری تعلق جیسے بہت سے سوالات زیر بحث آئے۔ مولانا مودودیؒ اس دور کے عظیم مفکر تھے۔ تاریخ اسلام کے نامور خادمانِ دین کے ساتھ ان کا نام آسانی سے لیا جاسکتا ہے، لیکن کسی بھی بڑی سے بڑی شخصیت سے بعض امور میں اختلاف کی گنجائش بہر حال رہتی ہے۔ مولانا مودودی کی بھی ہر بات حرفِ آخر نہیں ہے۔

دارالعلوم کراچی میں حاضری

کراچی کا، بلکہ شاید پاکستان کا سب سے بڑا دینی ادارہ 'دارالعلوم کراچی' ہے، جسے حضرت مولانا محمد شفیع عثمانیؒ مفتیِ اعظم پاکستان نے قائم کیا تھا۔ مجھ جیسے دینیات کے طالب علم کے لیے وہاں حاضری دینا لازم تھا۔ اس کے بغیر کراچی کا سفر ادھورا ہوتا۔ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی، جو عالم اسلام کی معروف شخصیت ہیں، اس وقت کراچی سے باہر ہیں۔ ایک دوست نے مولانا کے برادر خورد مولانا مفتی نقی عثمانی سے فون پر رابطہ کیا۔ مولانا ایک ہی روز قبل سری لنکا کے سفر سے واپس ہوئے تھے اور کسی قدر طبیعت بھی ناساز تھی، لیکن اس کے باوجود انھوں نے وقت دیا۔ صبح دس بجے ملاقات ہوئی۔ مولانا اس عاجز سے کسی قدر واقف تھے۔ بہت پہلے میری کتاب 'عورت ــــ اسلامی معاشرے میں' ان کی نظر سے گزر چکی تھی۔ ان سے دیر تک بات چیت رہی۔ چائے سے

فارغ ہونے کے بعد انھوں نے دو اساتذۂ کرام کو ساتھ کردیا کہ وہ دارالعلوم اور لائبریری وغیرہ دکھائیں۔ دارالعلوم بہت بڑے رقبے غالباً ساٹھ ستّر ایکڑ میں پھیلا ہوا ہے۔ ہر چیز بالکل جدید طرز کی نظر آئی۔ حدیث کی کلاس دیکھی۔ کلاس روم کسی جدید کالج اور یونی ورسٹی کا سا تھا۔ہال میں کرسیاں نیچے سے اوپر کی طرف لگی ہوئی تھیں اور استاذ اسٹیج سے درس دے رہے تھے۔ اس سے طلبہ استاد کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ بھی استاد کو براہِ راست دیکھتے ہیں۔ اس طرح ان کی دلچسپی باقی رہتی ہے۔ ہمارے بڑے مدارس بھی یہ انداز اختیار کرسکتے ہیں۔ دارالعلوم کی لائبریری کو اسلامیات کی بہت بڑی لائبریری کہا جاسکتا ہے۔ ہر چیز سلیقے کے ساتھ اور جدید انداز میں مرتب دیکھی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے بڑے صاحب زادے مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب نے چند سال قبل ۱۹۹۰ء میں اسلامی فقہ اکیڈمی کے اجلاس میں، جو بنگلور میں ہوا تھا، شرکت کی تھی، لیکن مصروفیت کی وجہ سے مجھے بات چیت یا تبادلۂ خیال کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ دارالعلوم کراچی کے صدر ہیں۔ افسوس کہ اس سفر میں ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔

اسلامک ریسرچ اکیڈمی میں لیکچر

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی ایک علمی اور تحقیقی ادارہ ہے۔ اس کی اپنی لائبریری ہے۔ اس کا اپنا مکتبہ اور مطبوعات بھی ہیں۔ اکیڈمی سے معارف فیچر سروس کے نام سے ایک پندرہ روزہ بلوٹین شائع ہوتا ہے، جس میں اسلام اور امتِ مسلمہ سے متعلق موجودہ رجحانات کو بغیر نقد وتبصرہ کے پیش کیا جاتا ہے۔ پاکستان کی معروف علمی و سیاسی شخصیت پروفیسر عبدالغفور صاحب اس کے صدر ہیں۔ اکیڈمی میں ان سے ملاقات رہی۔ دوپہر کا کھانا انہی کے ساتھ تھا۔ اکیڈمی کے رفقاء بھی شریک تھے۔ ڈاکٹر سید شاہد ہاشمی اکیڈمی کے ڈائریکٹر اور روحِ رواں ہیں۔ اکیڈمی میں مغرب کے بعد 'بھارت میں مسلمان:

حال اور مستقبل' کے عنوان پر خطاب تھا، چھوٹا سا ہال بھرا ہوا تھا۔ میں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی تعلیمی سرگرمیوں کی تفصیل پیش کی اور بتایا کہ تقسیم کے بعد ہندوستان میں مسلمان نازک حالات سے گزرے، لیکن وہ اپنے دین و ایمان پر ثابت قدم رہے، اپنے تشخص کو باقی رکھا، اپنے اداروں کی حفاظت کی اور ان کو غیر معمولی وسعت دی، نئے دینی ادارے قائم کیے، اسکول، کالج، انجینئرنگ، میڈیکل اور ٹیکنیکل ادارے کھولے۔ سیاسی پہلو سے بھی وہ ایک طاقت ہیں، جسے ہندوستان کی کوئی سیاسی پارٹی نظر انداز نہیں کرسکتی۔ وہ اپنی اجتماعی طاقت سے وہاں کی سیاست پر اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ مسلمان ہندوستان میں پندرہ کروڑ ہیں، لیکن مختلف ریاستوں میں وہ دو(۲) تین(۳) فی صد سے لے کر بتیس(۳۲)فی صد تک بکھرے ہوئے ہیں۔ (ریاست جموں و کشمیر اس سے مستثنیٰ ہے، وہاں وہ اکثریت میں ہیں) اس وجہ سے کہیں بھی وہ محض اپنے بل پر حکومت سازی کے موقف میں نہیں ہیں۔ انہیں غیر مسلم سیاسی پارٹیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ آخر میں صدرِ مجلس پروفیسر عبدالغفور صاحب نے اظہارِ خیال کیا اور اس پر زور دیا کہ پاک و ہند کے درمیان جو نزاعی مسائل ہیں ان کے مؤثر حل کی کوشش ہونی چاہیے۔ اس کے بعد بعض دوستوں کے ساتھ کھانا ہوا اور رات گئے 'قصر ناز' واپسی ہوئی۔

وطن واپسی

کراچی میں میرے حقیقی ماموں کا خاندان رہتا ہے۔ ماموں اور ممانی کا انتقال ہوچکا ہے اور اب ان کے بچے ہیں۔ عرصے سے ان سے خط و کتابت نہیں ہے، اس لیے ان سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں نکل سکی، جس کا افسوس ہے۔ کراچی پہنچنے کے فوراً ہی بعد سید راشد احمد صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ میں کچھ وقت گزارا ہے۔ مجھ سے ایک طرح کا قلبی تعلق محسوس کرتے ہیں۔ جب تک کراچی میں قیام رہا انہوں نے میرے ساتھ خاصا وقت گزارا۔ اللہ جزائے خیر دے۔

۲۸؍مارچ: آج وطن واپسی تھی۔ صبح ۸ بجکر ۴۰ منٹ پر فلائٹ تھی۔ چھ بجے کے قریب ایئر پورٹ راشد صاحب کے ساتھ پہنچا۔ جہاز وقت پر روانہ ہوا اور ٹھیک ۱۱؍بجے پاکستان کی بہترین یادوں کے ساتھ دہلی واپس ہوا۔

(سہ ماہی تحقیقات اسلامی ،علی گڑھ، اپریل-جون ۲۰۰۵ء)

☆☆☆

امیر جماعت کا دورۂ پاکستان

اپریل ۲۰۱۲ء کے اواخر میں ایک موقع پر محترم امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے خبر دی کہ پاکستان کے شہر کراچی میں وہاں کی جماعت اسلامی کے رفقاء جون کے دوسرے ہفتے میں ایک بین الاقوامی نمائشِ قرآن کا انعقاد کر رہے ہیں، جس کے افتتاح کے لیے انھوں نے انہیں مدعو کیا ہے۔ اس کی انھوں نے منظوری دے دی ہے۔ اس اطلاع کے ساتھ انھوں نے ازراہِ نوازش یہ بھی فرمایا کہ مجھے ان کی رفاقت کرنی ہے۔ یہ اطلاع میرے لیے بڑی خوش آئند تھی اور سفر پاکستان میں محترم امیر جماعت کی مصاحبت میرے لیے شرف اور اعزاز کی بات تھی۔

جلد ہی وہاں سے تفصیلی پروگرام بھی موصول ہوگیا۔ جماعت اسلامی پاکستان کے ذمے داروں نے دوروں کو دینی اور تحریکی اعتبار سے مفید، کارآمد اور ثمر بار بنانے کے لیے کراچی میں نمائشِ قرآن کے افتتاح کے علاوہ بعض دیگر پروگرام بھی طے کیے۔ اس کے علاوہ لاہور، حیدرآباد اور اسلام آباد کے شہروں کو بھی دورے میں شامل کیا۔ مئی کے اوائل میں باضابطہ دعوت نامہ موصول ہوا اور ویزا کے حصول کے لیے پاکستانی ہائی کمیشن سے رجوع کرنے کے لیے کہا گیا۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو معمول پر

لانے کے لیے سرکاری اور غیرسرکاری دونوں سطحوں پر کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ اس کے باوجود لوگ بیان کرتے ہیں کہ ہندوستانیوں کے لیے پاکستان کا ویزا اور اہل پاکستان کے لیے ہندوستان کا ویزا حاصل کرنا عام حالات میں آسان نہیں ہوتا۔ کئی چکر لگانے پڑتے ہیں۔ آفیسروں کی جرح کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود یقین نہیں ہوتا کہ ویزا مل ہی جائے گا۔ لیکن ہم نے دعوت نامے کے حوالے کے ساتھ پاکستانی ہائی کمیشن سے رجوع کیا تو بغیر ادنیٰ زحمت کے آسانی سے ویزا مل گیا۔ محترم امیر جماعت کو تو ہائی کمیشن جانا بھی نہیں پڑا۔ انھوں نے ہمارے ساتھ اپنا پاسپورٹ بھیج دیا۔ ہائی کمیشن کے آفیسر نے ہماری خاطرخواہ تواضع کی۔ امیر جماعت سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور دونوں پاسپورٹ پر ویزا اسٹامپ کرکے ہمارے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ آئندہ بھی آپ جب پاکستان جانے کے خواہشمند ہوں، ہم خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ اس سہولت پر ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔

پاکستان کا، محترم امیر جماعت کا یہ دوسرا سفر تھا اور میرا بھی۔ ان کا پہلا سفر مارچ ۲۰۰۵ء میں بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد کی دعوت پر ہوا تھا۔ اس موقع سے انھوں نے وہاں کے شعبۂ قانون کے تحت 'اجتماعی اجتہاد' کے موضوع پر منعقدہ بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کی تھی۔ اس سفر میں انھوں نے پاکستان میں دو ہفتے گزارے تھے اور اسلام آباد کے علاوہ کراچی اور لاہور بھی تشریف لے گئے تھے۔ مجھے بھی گزشتہ سال مارچ میں بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد کے ادارۂ تحقیقات اسلامی کی جانب سے منعقدہ بین الاقوامی سیرت سیمینار میں شرکت کا موقع ملا تھا۔ میرا یہ سفر صرف اسلام آباد تک محدود تھا، کہیں اور جانے کا موقع نہیں ملا تھا، اس لیے تشنگی کا احساس باقی تھا اور پاکستان کے دوسرے شہروں کو دیکھنے کی خواہش دل میں کروٹیں لیتی رہتی تھی۔ میرے لیے خوشی کی بات یہ تھی کہ اس سفر میں محترم امیر جماعت کی مصاحبت میں

پاکستان کے کئی بڑے شہروں میں جانے اور وہاں کے علمی ، دینی اور تحریکی مراکز کو دیکھنے اور ان کی سرگرمیوں سے واقف ہونے کا موقع مل رہا تھا۔

لاہور میں

ہمارا سفر ۶/ جون ۲۰۱۲ء کو شروع ہوا۔ ٹکٹ پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنس (پی آئی اے) سے تھا۔ فلائٹ کا وقت شام ساڑھے پانچ بجے تھا۔ ہوائی جہاز کسی قدر تاخیر سے روانہ ہوا۔ لاہور ایئر پورٹ پر اترے تو وہاں مقامی وقت کے اعتبار سے شام کے سات بجے تھے۔ ایئر پورٹ پر جماعت اسلامی پاکستان کے ذمے داران: ڈائرکٹر ادارۂ معارف اسلامی جناب حافظ محمد ادریس،ڈائرکٹر امور خارجہ جماعت اسلامی پاکستان جناب عبدالغفار عزیز، سکریٹری اطلاعات جماعت اسلامی پاکستان جناب محمد انور خاں نیازی، ڈپٹی ڈائرکٹر امور خارجہ جناب سمیع الحق شیر پاؤ اور دیگر حضرات نے ہمارا استقبال کیا اور پھولوں کے گلدستے پیش کیے۔ وہاں مختلف ٹی وی چینل والے بھی موجود تھے۔ انھوں نے امیر جماعت سے انٹرویو لیا، جس کا تعلق مقصدِ سفر اور ہند پاک تعلقات سے تھا۔

لاہور ایئرپورٹ سے نکلے تو نماز مغرب کا وقت ہوگیا تھا۔ ہم نے راستے میں رک کر ایک مسجد میں نماز باجماعت ادا کی۔ پھر آگے مرکز جماعت اسلامی پاکستان منصورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اُن دنوں پاکستان میں ایک موضوع بہت گرم تھا۔ وہاں کے چیف جسٹس جناب افتخار محمد چودھری، جنھوں نے کرپشن ، بدعنوانی اور لاقانونیت کے خاتمے اور قانون کی بالادستی کے سلسلے میں اہم کردار انجام دیا تھا، ان کے بیٹے ارسلان افتخار پر رشوت خوری کے الزامات لگے تو چیف جسٹس نے اسے بھی عدالت میں طلب کرلیا۔ گاڑی میں موجود احباب سے تعارف ہوا تو ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا جج اپنے بیٹے کے معاملے میں فیصلہ کرسکتا ہے؟ اس سلسلے میں اسلامی شریعت کیا کہتی ہے؟ اور کیا

ابتدائی اسلامی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ احتیاط کا تقاضا ہے کہ جج اپنے بیٹے کا کیس اپنے ہاتھ میں نہ لے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ اپنے عہدِ خلافت میں ایک معاملے میں قاضی شریح کی عدالت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے اپنے حق میں بطور گواہ اپنے بیٹے اور غلام کو پیش کیا، لیکن قاضی نے ان کی گواہی قبول نہیں کی۔ مرکز جماعت منصورہ کے دارالضیافۃ پہنچے تو وہاں امیر جماعت اسلامی پاکستان محترم سید منور حسن صاحب نے بڑی خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا، خیریت دریافت کی، پھر ساتھ ہی رات کا کھانا کھایا گیا۔ یہیں جماعت کے بعض دیگر ذمے داروں سے ملاقات ہوئی۔

جماعت کے مرکزی ذمے داروں کے ساتھ نشست

۷/جون ۲۰۱۲ء کو صبح گیارہ بجے جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی ذمے داروں اور دیگر رہنماؤں کے ساتھ نشست اور تبادلۂ خیال کا پروگرام طے کیا گیا تھا۔ اس کے لیے ہم جماعت کے مرکزی دفاتر کی عمارت میں واقع کمیٹی روم پہنچے تو وہاں امیر جماعت اور قیم جماعت جناب لیاقت بلوچ کے علاوہ سابق امیر جماعت قاضی حسین احمد، چودھری محمد اسلم سلیمی، چودھری رحمت الٰہی، حافظ محمد ادریس، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، نذیر احمد جنجوعہ، عبدالغفار عزیز، مسلم سجاد، عبدالحفیظ احمد اور دیگر حضرات موجود تھے۔ اس موقع پر امیر جماعت اسلامی پاکستان سید منور حسن صاحب نے استقبالیہ کلمات کہے۔ انھوں نے بتایا کہ جماعت اسلامی پاکستان کے ارکان کی تعداد انتالیس ہزار ہے، جن میں سے ساڑھے تین ہزار خواتین ہیں۔ امیر جماعت مولانا سید جلال الدین عمری نے اپنی مختصر گفتگو میں جماعت اسلامی ہند کا تعارف کرایا۔ انھوں نے بتایا کہ ہندوستان کی بیشتر ریاستوں میں الحمدللہ جماعت کا کام ہے۔ جن ریاستوں میں کام بہت کم ہے انہیں تنظیمی اعتبار سے پڑوسی ریاستوں سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اس طرح پورے ملک میں

جماعت کے انیس (۱۹) حلقے قائم ہیں۔ انھوں نے دیگر دینی جماعتوں اور تنظیموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سے ہمارے اچھے روابط ہیں۔ وہ ہمارے اور ہم ان کے پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کے مشترکہ مسائل میں بھی ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں۔ امیر جماعت کی گفتگو کے بعد حاضرین کو سوالات کا موقع دیا گیا۔ ان سوالات سے ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں ان کی فکرمندی اور جماعت اسلامی ہند کی دینی و اصلاحی سرگرمیوں سے دلچسپی کا اظہار ہوتا تھا۔ چودھری اسلم سلیمی صاحب نے دریافت کیا کہ جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے رہنماؤں پر حکومتی مظالم کے خلاف جماعت اسلامی ہند نے کیا کیا؟ امیر جماعت نے بتایا کہ بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے لٹریچر پر پابندی کے موقع پر اور بعد میں سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان پروفیسر غلام اعظم کے خلاف جنگی جرائم کا مقدمہ شروع کیے جانے پر بھی جماعت اسلامی ہند نے اپنی سطح سے بھی اور دیگر دینی تنظیموں کے ساتھ مل کر بھی احتجاج کیا ہے اور ان غیرانسانی، غیراخلاقی اور غیرجمہوری کارروائیوں کی مذمت کی ہے۔ اس سلسلے میں مسلم مجلسِ مشاورت کی طرف سے ایک تحریر سفارت خانے کو بھیجی گئی۔ عبدالحفیظ صاحب نے جاننا چاہا کہ جماعت اسلامی کشمیر سے جماعت اسلامی ہند کا ربط وتعلق کیسا ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ جماعت اسلامی ہند کا جموں وکشمیر میں کوئی کام نہیں ہے۔ جماعت اسلامی کشمیر وہاں آزادانہ حیثیت میں کام کر رہی ہے۔ اس سے جماعت اسلامی ہند کا باضابطہ کوئی تعلق نہیں ہے۔ منتظم اعلیٰ جمعیت طلبہ عربیہ نے دریافت کیا کہ تعلیم کے میدان میں قدیم اور جدید کے درمیان خلیج کو پاٹنے کے لیے جماعت نے کیا کوششیں کی ہیں؟ امیر جماعت نے اس کے جواب میں تعلیم کے میدان میں جماعت کی کوششوں پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ اس سلسلے کی کوششیں ہندوستان ہی میں نہیں، عالمی سطح پر بھی بہت زیادہ کامیاب نہیں ہیں۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کے یہاں برادران وطن میں جماعت کا کام کس حد تک ہے؟ اس پر امیر جماعت نے فرمایا کہ اُن تک اسلام کا پیغام

پہنچانے کے لیے جماعت کے شعبۂ دعوت کے تحت منصوبہ بند طریقے سے کام ہورہا ہے۔ بڑے پیمانے پر لٹریچر کی اشاعت ہورہی ہے۔ انفرادی ملاقاتوں کے ذریعے اسلام کی تعلیم گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سمپوزیم اور بین مذاہب ڈسکشن کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی اسلام کے عمومی تعارف کے لیے مہمات بھی چلائی جاتی ہیں، جیسے 'اسلام سب کے لیے' یا 'محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے' یا 'قرآن سب کے لیے'۔ اس میں اسلامی لٹریچر بھی بڑے پیمانے پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور بھی دیگر بہت سے سوالات کیے گئے جن کے امیر جماعت نے جوابات دیے۔ ظہر کے وقت یہ نشست اختتام کو پہنچی۔

جماعت اسلامی لاہور کی جانب سے استقبالیہ

دوسرا بڑا پروگرام جماعت اسلامی لاہور کی جانب سے عصرانے کا تھا۔ اس کا اہتمام شہر کے ایک بڑے میرج ہال میں کیا گیا تھا۔ صبح شدید گرمی تھی، مگر دوپہر سے بادل امڈنے لگے، یہاں تک کہ سہ پہر میں بارش ہونے لگی۔ عصر کے وقت بارش میں اور تیزی آ گئی۔ گمان ہونے لگا کہ اس کی وجہ سے پروگرام متاثر ہوگا اور شرکاء کی تعداد بہت کم ہوگی۔ مگر جلسہ گاہ میں پہنچے تو یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ پورا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ نوجوانوں نے پرجوش اور پرشور نعروں سے ہمارا استقبال کیا۔ حاضرین کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہی رہی ہوگی، جن میں خاصی تعداد خواتین کی تھی۔ ان کی نشست کے لیے دوسرے ہال میں انتظام کیا گیا تھا اور ان کے لیے پروگرام سے استفادے کے لیے اسکرین آویزاں کی گئی تھی۔

جماعت اسلامی لاہور کے امیر جناب امیر العظیم کی تمہیدی گفتگو کے بعد مولانا سید جلال الدین عمری نے خطاب کیا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں ذاتی اصلاح وتربیت اور کردار سازی پر زور دیا اور کہا کہ اس کے بغیر کسی بڑی تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

یہ استقبالیہ تقریب امیر جماعت اسلامی پاکستان محترم سید منور حسن صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ اپنے صدارتی خطاب میں موصوف نے فرمایا کہ ہمارے ملک میں فحاشی، عریانی اور بے حیائی بڑھ رہی ہے اور سیکولر قوتیں اپنے مکروہ عزائم میں کامیاب ہورہی ہیں۔ اس کا سبب عوام کے دینی شعور میں کمی اور دینی قوتوں اور جماعتوں کی غیر جانبداری ہے۔ اگر پاکستان کے مقصد وجود کو حاصل کرنا اور اسے اسلامی نظریے پر قائم رکھنا ہے تو عوام کو پورے شعور کے ساتھ اسلام پسند قوتوں کا ساتھ دینا ہوگا۔

پروگرام کے خاتمے کے بعد بہت سے لوگوں سے غیر رسمی ملاقات اور گفتگو ہوئی۔ خاصی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن سے غائبانہ تعارف تھا۔ ان سے ملاقات اور بالمشافہہ گفتگو سے خوشی دوبالا ہوگئی۔ نماز مغرب کے بعد ضیافت کا نظم تھا۔ کہنے کو تو عصرانہ تھا، لیکن ہمارے لیے وہ عشائیے سے کم نہ تھا۔ اس سے فارغ ہوکر ہم لوگ ایئر پورٹ پہنچ گئے، اس لیے کہ دس بجے شب کی فلائٹ سے ہمیں کراچی روانہ ہونا تھا۔

کراچی میں

ساڑھے بارہ بجے شب ہم کراچی پہنچے تو وہاں جماعت اسلامی کراچی کے امیر جناب محمد حسین محنتی اور قیم جناب نسیم صدیقی دیگر رفقاء کے ساتھ استقبال کے لیے موجود تھے۔ پریس اور ٹی وی والے بھی منتظر تھے۔ ایرپورٹ سے باہر نکلتے ہی انھوں نے گھیرلیا۔ ان کے سوالات ہندو پاک تعلقات، دہشت گردی، خودکش حملوں اور افغانستان پر امریکی جارحیت سے متعلق تھے۔ امیر جماعت مولانا عمری نے فرمایا کہ ہر ملک کو آزاد رہنے کا حق حاصل ہے۔ کسی ملک کے لیے روانہیں کہ وہ دوسرے ملک پر قبضہ جمائے، یا اس پر اپنی مرضی مسلط کرے۔ جہاں تک خودکش حملوں کا تعلق ہے انھیں ہم صحیح نہیں سمجھتے۔

ہمارے قیام کا نظم ڈاکٹر شبیر نعیم صاحب کے مکان پر تھا۔ ڈاکٹر صاحب

پاکستان کے مشہور ریڈیولوجسٹ ہیں۔ کافی عرصہ امریکہ میں رہ چکے ہیں۔ چند سال قبل پاکستان آ گئے ہیں اور کراچی کے ایک میڈیکل کالج سے وابستہ ہیں۔ ان کی اہلیہ محترمہ صفورا صاحبہ ماہر تعلیم ہیں اور تعلیمی میدان میں اہم خدمات انجام دے رہی ہیں۔ دونوں جماعت اسلامی کے رہنماؤں میں سے ہیں۔ دورانِ قیام ڈاکٹر صاحب نے ہمارے آرام کا بہت خیال رکھا، خوب خاطر تواضع کی اور بڑی اپنائیت اور محبت سے پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

پروفیسر غفور احمد صاحب سے ملاقات

۸؍جون کو جمعہ کا دن تھا۔ نماز جمعہ سے قبل جماعت اسلامی کراچی کے رفاہی ادارہ الخدمت فاؤنڈیشن میں ایک نشست تھی۔ معلوم ہوا کہ پروفیسر غفور احمد صاحب ان دنوں کافی علیل ہیں۔ محترم امیر جماعت نے ان کی عیادت کی خواہش کی۔ چنانچہ پروفیسر صاحب کے گھر اطلاع کرواکے ہم ان سے ملاقات کے لیے پہنچ گئے۔

پروفیسر غفور احمد صاحب جماعت اسلامی پاکستان کے رہ نماؤں میں سے ہیں۔ نائب امیر ہیں۔ پاکستان کی سیاست میں بھی ان کا بڑا اثر و رسوخ رہا ہے۔ وہاں کی سینیٹ کے ممبر رہے ہیں۔ دومرتبہ جماعت اسلامی پاکستان اور دیگر دینی وسیاسی پارٹیوں کے الائنس کے جنرل سکریٹری رہ چکے ہیں۔ ان کا تعلق ہندوستان کے بریلی شہر سے ہے۔ ہم ان کے گھر پہنچے تو بڑی محبت سے ملے اور دیر تک بیٹھے باتیں کرتے اور پرانی یادیں تازہ کرتے رہے۔ متعلقین نے بتایا کہ صحت کی خرابی اور کم زوری کی وجہ سے اکثر خاموش لیٹے رہتے ہیں اور کسی سے ملنا جلنا اور بات کرنا پسند نہیں کرتے۔ امیر جماعت نے سات سال پہلے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا اور کہا: ڈاکٹر صاحب آپ ہمیں بھول تو نہیں گئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: ''آپ ہمارے دل میں رہتے ہیں، کیسے بھول سکتے ہیں۔'' ان کی صحت کی دُعا کر کے ہم نے اجازت لی۔

الخدمت فاؤنڈیشن میں ظہرانہ

نماز جمعہ سے قبل ہم الخدمت فاؤنڈیشن پہنچے، جس کے چیئرمین جناب نعمت اللہ خاں صاحب نے امیر جماعت کے اعزاز میں ظہرانہ دیا تھا۔ نعمت اللہ خاں صاحب کراچی کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ان کا تعلق ہندوستان کے شہر اجمیر سے رہا ہے۔ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۵ء تک وہ کراچی کے میئر رہے ہیں۔ ان کے دور میں کراچی شہر کے بہت سے ترقیاتی کام انجام پائے۔ ان کی سربراہی میں الخدمت فاؤنڈیشن نے باز آبادکاری کا بڑا کام انجام دیا ہے۔

نماز جمعہ ہم نے قریب کی ایک مسجد میں ادا کی۔ نماز کے بعد امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب سید منور حسن بھی الخدمت فاؤنڈیشن کے دفتر میں تشریف لے آئے۔ دونوں رہ نماؤں کو فاؤنڈیشن کے کاموں کی بریفنگ دی گئی۔ اس موقع پر نعمت اللہ خاں صاحب کی جانب سے امیر جماعت مولانا عمری کو ایک یادگاری شیلڈ اور ایک چادر، جسے سندھی زبان میں 'اجرک' کہتے ہیں، پیش کی گئی۔ ظہرانے میں امیر جماعت اسلامی کراچی جناب محمد حسین محنتی، قیم جناب نسیم صدیقی، الخدمت فاؤنڈیشن سندھ کے صدر سید تبسم جعفری، ڈائریکٹر تعمیر نو اعجاز اللہ خاں اور دیگر ذمہ داران بھی شریک تھے۔ اس سے فارغ ہوکر ہم اپنی قیام گاہ لوٹ آئے۔

قرآنی نمائش کی افتتاحی تقریب میں خطاب

بین الاقوامی قرآنی نمائش، جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے محترم امیر جماعت کو مدعو کیا گیا تھا، آج (۸/جون) بعد نماز عصر، اس کا افتتاح تھا۔ یہ نمائش جماعت اسلامی کراچی کے دفتر ادارۂ نورِ حق کے کمپاؤنڈ میں لگائی گئی تھی۔ اسی سے متصل، افتتاحی تقریب کے لیے ایک وسیع پنڈال سجایا گیا تھا۔

نمازِ عصر کے بعد ہم جلسہ گاہ پہنچے تو جماعت کے ذمہ داروں نے بڑی گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ افتتاحی تقریب کی صدارت امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب سید منور حسن صاحب نے فرمائی۔ اس موقع پر جماعت اسلامی پاکستان کے ڈپٹی سکریٹری نظام الدین میمن، جماعت اسلامی سندھ کے امیر اسد اللہ بھٹو اور سکریٹری راشد نسیم، جماعت اسلامی بلوچستان کے امیر عبدالمتین اخوندزادہ، جاپانی وائس قونصل یوکیوچائی، ایرانی قونصل جنرل عباس علی عبداللٰہی، خانہ فرہنگ ایران کے ڈائریکٹر مہدی خطیب اور دیگر حضرات موجود تھے۔ اس موقع پر امیر جماعت اسلامی پاکستان نے مولانا عمری کو یادگاری شیلڈ پیش کی۔

ابتداء میں امیر جماعت اسلامی کراچی جناب محمد حسین محنتی نے مختصر گفتگو کی۔ پھر مولانا جلال الدین عمری کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ مولانا نے قرآن مجید کے اس پروگرام میں شرکت پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ پھر فرمایا: یہ نمائش اس بات کا ثبوت فراہم کررہی ہے کہ قرآن اپنے زمانۂ نزول سے آج تک پوری طرح محفوظ ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ کتاب دنیا میں انقلاب بن کر آئی اور اس کے نتیجے میں جو انقلاب برپا ہوا وہ زندگی کے تمام گوشوں پر محیط تھا۔ ایسا انقلاب دنیا میں آج تک نہیں دیکھا گیا۔ انسانیت موجودہ نظام سے بے زار ہوچکی ہے اور تبدیلی چاہتی ہے، لیکن یہ تبدیلی قرآن کے بغیر ممکن نہیں۔

امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب سید منور حسن صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ آج دنیا میں مہذب کہلانے والے بدتہذیبی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ کہیں قرآن پاک جلایا جارہا ہے تو کہیں توہین آمیز خاکے بنائے جارہے ہیں۔ یہ سب اس لیے کہ مغرب اور اس کے تھنک ٹینک یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ قرآن ہی مسلمانوں کے فکر و نظر کو تبدیل کرنے والی کتاب ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ آج پوری دنیا میں حق اور باطل کے درمیان کش مکش برپا ہے۔ اس کش مکش میں ہمیں اپنا حصہ ادا کرنا چاہئے۔ یہی ایمان کا تقاضا ہے۔

قرآنی نمائش کا افتتاح

نماز مغرب کے بعد امیر جماعت نے رِبن کاٹ کر نمائش کا افتتاح کیا۔ 'مظاہر انوار قرآن' کے عنوان سے منعقد کی جانے والی اس نمائش میں قرآن کے مختلف نادر ونایاب نسخے ، مختلف زبانوں میں تراجم ، تفاسیر، قلمی نسخے اور علوم قرآنی پر کتابیں اور رسائل کے خاص نمبر جمع کیے گئے تھے۔ تراجم وتفاسیر کا غالب حصہ اُردو زبان سے متعلق تھا۔ اس میں ۵۴ تراجم، تین منظوم تراجم اور ۵۳ تفسیریں ناظرین کے لیے سلیقے سے ڈسپلے کی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ بین الاقوامی اور ہندوپاک کی علاقائی زبانوں میں ساٹھ (۶۰) تراجم بھی موجود تھے۔ کچھ ایسے مصاحف کی بھی نمائش کی گئی تھی جو دو، تین، چار، پانچ اور دس تراجم پر مشتمل تھے۔ وہاں قرآن کے انیس(۱۹) قلمی نسخے یا ان کی عکسی کاپیاں موجود تھیں ،جو ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کررہی تھیں۔ مثلاً خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں قرآن کے پانچ نسخے تیار کروا کے اسلامی مملکت کے پانچ مراکز میں بھجوائے تھے، ان میں سے ایک نسخہ سمرقند میں اب بھی محفوظ ہے۔ اس کی عکسی کاپی یہاں ڈسپلے کی گئی تھی۔ قرآن کا ایک نسخہ ،جو اس کی چند سورتوں پر مشتمل ہے اور حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ، برطانیہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ اس کی عکسی کاپی بھی یہاں موجود تھی۔ قرآن کے بعض نادر نسخے بھی ناظرین کے لیے باعث کشش تھے۔ مثلاً ورقی قرآن، جس میں ہر پارہ ایک ورق میں ہے۔ الفی قرآن ،جس میں ہر سطر 'الف' سے شروع ہوتی ہے۔ واوی قرآن، جس میں ہر سطر کا آغاز 'و' سے ہوتا ہے۔ بریل قرآن، جسے نابینا افراد کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

اس نمائش کے روح رواں جناب سید سلام الدین صاحب بھی اپنی پیرانہ سالی کے باوجود نمائش میں موجود تھے۔ وہ امیر جماعت اسلامی ہند، امیر جماعت اسلامی پاکستان اور دیگر مہمانوں کے سامنے مختلف مصاحف اور قرآنی نسخوں کا تعارف کرارہے تھے۔

نمائش کو میڈیا کی جانب سے بھر پور کَوریج حاصل تھا۔ بہت سے ٹی وی چینلوں کی ٹیمیں وہاں موجود تھیں۔ انہوں نے امیر جماعت مولانا عمری کا انٹرویو لیا۔ بعد میں روزنامہ نئی بات، جو پاکستان کا ایک اُبھرتا ہوا اخبار ہے اور چار مقامات سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے نمائندے نے مولانا سے ایک تفصیلی انٹریو لیا،جس میں نمائش کے بارے میں تاثرات، پاکستان میں ان کی مصروفیات، ہندوپاک تعلقات، ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل اور بین الاقوامی ایشوز پر سوالات شامل تھے۔

جماعت اسلامی کراچی کے ارکان مجلس شوریٰ کے ساتھ نشست اور عشائیہ

نماز عشاء کے بعد جماعت اسلامی کراچی کے دفتر ادارۂ نورحق ہی میں مجلس شوریٰ کے ارکان کے ساتھ نشست ہوئی۔ اس میں پہلے ایک ڈاکومینٹری دکھائی گئی،جس میں تعلیم،صحت، علاج معالجہ،غریبوں، بیواؤں اور قدرتی آفات کا شکار ہونے والوں کی امداد اور دیگر میدانوں میں جماعت اسلامی پاکستان کی رفاہی خدمات کا تعارف تھا۔ اس کے بعد محترم امیر جماعت نے مختصر گفتگو کی، جس میں ہندوستان میں مسلمانوں کے حالات اور مسائل اور مختلف میدانوں میں جماعت اسلامی ہند کی خدمت کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد ارکان شوریٰ کو سوالات کا موقع دیا گیا۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ جماعت اسلامی ہند کا تنظیمی ڈھانچہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں امیر جماعت نے مجلس نمائندگان ،مجلس شوریٰ، اور امیر جماعت کے انتخاب اور مرکزی ذمہ داروں، امرائے حلقہ، امرائے مقامی کے تقرر کے طریقے کی وضاحت کی۔ ایک سوال یہ کیا گیا کہ ہندوستان کی سیاست میں جماعت اسلامی ہند کا کیا مقام ہے؟ امیر جماعت نے بتایا کہ جماعت اسلامی ہندملکی انتخابات میں بہ راہ راست حصہ نہیں لیتی،لیکن اس کی کوشش رہتی ہے کہ ایسے امیدوار کامیاب ہوں جو ایمان دار، بااصول اور صاف ستھرے کردار کے ہوں۔ گزشتہ دنوں جماعت کی تحریک پر ایک نئی سیاسی پارٹی 'ویلفیئر پارٹی آف انڈیا' کے

نام سے قائم ہوئی ہے۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ ہندوستان میں سچر کمیٹی کی رپورٹ نے مسلمانوں کی زبوں حالی واضح کردی ہے ۔ اسے دُور کرنے کے لیے جماعت کیا کررہی ہے؟ اس کے جواب میں امیر جماعت نے تعلیم اور معیشت کے میدانوں میں مسلمانوں کی ترقی کے لیے کی جانے والی جماعت کی کوششوں کا تذکرہ کیا۔ ایک صاحب نے خدمت خلق کے میدان میں جماعت کا کام جاننا چاہا تو امیر جماعت نے ہیومن ویلفیئر فاؤنڈیشن کے تحت کیے جانے والے کاموں اور خاص طور پر Vision 2016 کا تفصیل سے تعارف کرایا۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے سوالات کیے گئے۔ پرتکلف عشائیہ پر اس نشست کا خاتمہ ہوا۔

کراچی میں جماعت اسلامی کی سرپرستی میں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کا ایک ادارہ جامعۃ المحصنات کے نام سے چل رہاہے۔ اس کی پرنسپل کی خواہش تھی کہ امیر جماعت اسلامی ہند ان کے یہاں بھی تشریف لائیں اور ان کی جامعہ کا معائنہ کرکے اپنے مشوروں سے نوازیں۔ جماعت اسلامی کراچی کے ذمہ داروں نے یہ پروگرام بھی طے کردیا تھا، لیکن پورے دن کی مسلسل مصروفیت اور امیر جماعت کی تھکن کی وجہ سے اس ادارے میں جانا ممکن نہ ہوسکا۔

اسلامک ریسرچ اکیڈمی میں نشست اور لیکچر

۹/ جون ۲۱۰۲ء کا دن ادارۂ معارف اسلامی کراچی کے لیے خاص تھا۔ اس کے ڈائریکٹر پروفیسر سید شاہد ہاشمی نے بہت پہلے امیر جماعت سے براہ راست رابطہ کرکے ان کا وقت فارغ کرلیا تھا۔ ہاشمی صاحب ادارۂ معارف اسلامی، جسے اسلامک ریسرچ اکیڈمی بھی کہا جاتا ہے، کے ڈائرکٹر ہیں۔ بڑی سرگرم شخصیت کے مالک ہیں۔ معارف فیچر کے نام سے پندرہ روزہ جریدہ عرصے سے شائع کررہے ہیں، جس میں عالم

اسلام اور امت مسلمہ سے متعلق خبریں اور ان کے تجزیے شائع ہوتے ہیں۔ اب اس کا ویب ایڈیشن بھی دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ ایک ششماہی تحقیقی رسالہ بھی مجلّہ تحقیق کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ محترم امیر جماعت سے انھیں بڑی عقیدت ہے۔ ان کی متعدد تصانیف انھوں نے اپنی اکیڈمی سے شائع کی ہیں۔ اب تمام تصانیف شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، جس کی باقاعدہ اجازت انہیں امیر جماعت کی طرف سے حاصل ہے۔

شاہد ہاشمی صاحب نے اکیڈمی میں امیر جماعت کے دو پروگرام رکھے۔ ایک صبح گیارہ بجے، جس کے شرکاء تحریک اسلامی سے وابستہ نوجوان اہل علم ودانش تھے۔ ان کے سامنے امیر جماعت نے 'تحریک اسلامی کو درکار علمی وفکری کام اور اس کے لیے مطلوب افرادِ کار' کے موضوع پر خطاب کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ موجودہ زمانے میں عالمی سطح پر سماجی، معاشی اور سیاسی میدانوں میں جو مسائل ابھرے ہیں ان کے سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر دلائل کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لیے ایسے نوجوان مطلوب ہیں جو اپنی زندگیاں اس راہ میں کھپا دیں۔ خطاب کے بعد مولانا نے سامعین کے مختلف سوالوں کے جوابات دیے۔

اکیڈمی میں دوسرا پروگرام ایک لیکچر کا تھا، جو چار بجے سہ پہر کو ہوا۔ اس میں خاصی تعداد میں نوجوان اسکالرس اور محققین جمع تھے۔ امیر جماعت نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ پوری دنیا پر مغرب کے فکر اور فلسفۂ حیات کا غلبہ ہے۔ تجربے کے بعد اس فکر کی بہت سی خامیاں سامنے آچکی ہیں، لیکن اس کا کوئی متبادل سامنے نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے درمیان ایسے افراد تیار ہوں جو اسلام کو موجودہ دور کے لیے ہر پہلو سے ایک متبادل کے طور پر زیر بحث لاسکیں۔

خطاب کے بعد سامعین کو سوالات کا موقع دیا گیا اور امیر جماعت نے ان کے جوابات دیے۔

جامعۃ النعمان میں علماء سے ملاقات

۱۱ر جون کی صبح آٹھ بجے جامعۃ النعمان میں علماء سے ملاقات طے تھی۔ جامعۃ النعمان جماعت اسلامی کی سرپرستی میں قائم اعلیٰ دینی تعلیم کا ادارہ ہے۔ اس میں ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن کے علاوہ درس نظامی (عالم) کی مکمل تعلیم ہوتی ہے۔ جماعت سے وابستہ علماء نے جمعیۃ اتحاد العلماء کے نام سے اپنی ایک تنظیم بھی بنا رکھی ہے۔

صبح آٹھ بجے ہم جامعۃ النعمان پہنچے تو وہاں تقریباً دو سو علماء نے استقبال کیا۔ جامعہ اور جمعیت کے ذمے داروں کے ساتھ ناشتہ ہوا۔ اس کے بعد علماء کے ساتھ ایک مختصر نشست ہوئی۔ ابتداء میں صدر جمعیت نے اپنی سرگرمیوں کا اختصار کے ساتھ تعارف کرایا، پھر امیر جماعت مولانا عمری نے خطاب کیا۔ انھوں نے علماء کی ذمے داریاں یاد دلائیں، اتحاد و اتفاق پر قائم رہنے اور انتشار وتفرقے سے بچنے پر زور دیا اور عوام کی اصلاح وتربیت کا فریضہ یاد دلایا۔

جماعت کے زیر انتظام کراچی میں ہی اعلیٰ دینی تعلیم کا ادارہ جامعۂ حنیفیہ کے نام سے قائم ہے۔ اس میں ختم بخاری شریف کے پروگرام میں بطور مہمان خصوصی محترم امیر جماعت کے نام کا اعلان کر دیا گیا تھا، لیکن پروگراموں کی کثرت کی بنا پر اس میں شرکت نہ ہوسکی۔

حیدرآباد کی طرف

علماء کے ساتھ نشست سے فارغ ہوکر ہم حیدرآباد کی جانب عازم سفر ہوئے۔ صوبہ سندھ کے قیم جماعت اسلامی جناب راشد نسیم صاحب اور جماعت اسلامی پاکستان کے اسسٹنٹ سکریٹری جناب قمر میمن صاحب رفیق سفر تھے۔ یہ مختصر سا قافلہ بذریعہ کار روانہ ہوا۔ حیدرآباد صوبہ سندھ کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ کراچی سے اس کی مسافت

ڈیڑھ سو کلو میٹر ہے۔ سڑک کشادہ اور وسیع ہے۔ دو گھنٹے میں یہ مسافت طے ہوئی۔ جماعت اسلامی حیدر آباد کے قیم ڈاکٹر فواد احمد کے گھر پہنچے تو انہیں، امیر مقامی جناب شیخ شوکت علی اور دیگر ذمے داروں کو منتظر پایا۔ ان کے ساتھ کچھ دیر گفتگو رہی، پھر دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آرام کیا گیا۔

اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی کے ارکان کے ساتھ نشست

شام کو بعد نماز عصر اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی حیدرآباد کے ارکان کے ساتھ الگ الگ نشستیں ہوئیں۔ اس موقع پر امیر جماعت نے کوئی خطاب کرنے کے بجائے حاضرین کو سوالات کا موقع دیا، جن کے انھوں نے جوابات دیئے۔ جمعیت کے نوجوان یہ جاننے کے خواہشمند تھے کہ ہندوستان میں طلبہ اور نوجوانوں کی تنظیم کس طرح کام کر رہی ہے اور جماعت اسلامی سے اس کا کیا تعلق ہے؟ امیر جماعت نے فرمایا کہ اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا (S.I.O) کے نام سے طلبہ تنظیم کام کر رہی ہے۔ اس کا مستقل نظم اور الگ دستور ہے، البتہ جماعت اسلامی ہند کا امیر اس کا سرپرست ہوتا ہے۔ آزادانہ حیثیت میں ہونے کے باوجود ایس آئی او کے عہدیداران جماعت اسلامی کے ذمے داروں سے مشورے اور رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں اور جماعت اسلامی ان کی سرپرستی کرتی ہے۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ ذاکر نائک صاحب کا جماعت سے کیا تعلق ہے؟ کیا جماعت ان کے پروگراموں کو سپورٹ کرتی ہے؟اس کے جواب میں امیر جماعت نے فرمایا کہ ذاکر نائک صاحب کا جماعت سے ضابطے کا کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ ان کے سالانہ پروگراموں میں جماعت کے بعض ذمے دار شریک ہوتے رہتے ہیں۔ خود میں نے بھی ایک دوبار شرکت کی ہے۔ ارکانِ جماعت نے ہندوستان کی جماعت اسلامی کے تنظیمی ڈھانچے اور سرگرمیوں کے بارے

میں معلومات چاہیں۔ ایک صاحب نے ارکانِ جماعت کی تعداد دریافت کی۔ امیر جماعت نے بتایا کہ جماعت کے ارکان کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار ہے، جن میں سے دس فیصد خواتین ہیں، البتہ کارکنان کی تعداد پینتیس ہزار (35,000) سے زیادہ ہے۔ جماعت سے وابستگان کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے۔ نماز مغرب کے وقت یہ نشست اختتام کو پہنچی۔

عوامی استقبالیہ پروگرام میں خطاب

حیدرآباد میں امیر جماعت اسلامی ہند کی تشریف آوری پر شہر کے ایک بڑے میرج ہال 'النور پیلس' میں آٹھ بجے شب عوامی استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ پورا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ خواتین کی بھی بڑی تعداد شریک تھی۔ اس موقع پر محترم امیر جماعت کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی، جس سے اندیشہ پیدا ہوگیا کہ وہ اس تقریب میں شریک نہیں ہوسکیں گے۔ چنانچہ جماعت اسلامی پاکستان کے اسسٹنٹ سکریٹری جناب قمر میمن، جماعت اسلامی سندھ کے جنرل سکریٹری جناب راشد نسیم، جماعت اسلامی حیدرآباد کے امیر شیخ شوکت علی، قیم ڈاکٹر فواد احمد، حافظ غیور احمد صاحب اور راقم سطور نے تھوڑی تھوڑی دیر اظہار خیال کیا۔ مولانا کی طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ دس بجے جلسہ گاہ تشریف لائے۔ اس وقت تک پورا مجمع ان کا منتظر اور ان سے سننے کے لیے بیتاب تھا۔ ان کی آمد پر نوجوانوں نے پُرجوش نعروں سے ان کا استقبال کیا۔ مولانا نے اپنے خطاب کا آغاز سورۂ العصر کی تلاوت سے کیا، پھر اس کی تشریح کی۔

خطاب اتنا مؤثر تھا کہ فوراً ہی اس کی سی ڈی فراہم کی جانے لگی۔ خطاب کے بعد ٹی وی چینلس کے نمائندوں اور صحافیوں نے امیر جماعت سے مختلف سوالات کیے۔ مسئلہ کشمیر کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات میں اسے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسے جنگ کے بغیر گفت وشنید

ہی سے حل کرنا ہوگا۔ ہم تین جنگیں لڑ چکے ہیں۔ خدانخواستہ اب جنگ ہوگی تو بڑی تباہ کن ہوگی۔ گیارہ بجے شب میں یہ استقبالیہ تقریب ختم ہوئی۔

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد میں استقبالیہ

ہماری اگلی منزل اسلام آباد تھی۔ وہاں ۱۱/ جون کی دوپہر میں بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے صدر ڈاکٹر ممتاز احمد نے محترم امیر جماعت کے اعزاز میں استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ نماز فجر کے بعد ہم بذریعہ کار حیدرآباد سے نکلے اور کراچی پہنچ کر اپنی جائے قیام سے سامان لیا۔ کراچی سے اسلام آباد کے لیے ہماری فلائٹ صبح دس بجے تھی۔ بارہ بجے ہم اسلام آباد پہنچے تو ایئر پورٹ پر نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان ڈاکٹر محمد کمال، امیر مقامی جماعت اسلامی اسلام آباد اور سابق ممبر نیشنل اسمبلی جناب میاں محمد اسلم صاحب اور جناب عطاء الرحمٰن صاحب نے استقبال کیا۔ ہم ایئر پورٹ سے باہر نکلے ہی تھے کہ یونی ورسٹی کی پائلٹ ٹیم ہمیں لینے کے لیے آ گئی۔ اس کے ساتھ ہم یونی ورسٹی کیمپس پہنچے تو صدر جامعہ کو ان کی ٹیم کے ساتھ منتظر پایا۔

اسلام آباد میں اسلامی یونی ورسٹی کا قیام پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کے موقع پر (یکم محرم الحرام ۱۴۰۱ھ/ ۱۱/ نومبر ۱۹۸۰ء) ہوا تھا۔ پانچ سال کے بعد صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے ایک آرڈی نینس کے ذریعے اسے بین الاقوامی حیثیت دے دی گئی اور اس کا نام بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی قرار پایا۔ یونی ورسٹی کا آغاز شاہ فیصل مسجد، جس کا اپنے طرز تعمیر کی بنا پر دنیا کی خوبصورت مساجد میں شمار ہوتا ہے اور جو تقریباً ایک لاکھ نوے ہزار مربع میٹر میں پھیلی ہوئی ہے، کے کیمپس میں ہوا۔ ۲۰۰۲ء میں اسے سیکٹر ایچ میں واقع نیو کیمپس میں منتقل کردیا گیا۔ یہ کیمپس سات سو چار ایکڑ میں پھیلا ہوا ہے۔ محترم امیر جماعت کے استقبال کا پروگرام نیو کیمپس کے ایڈمنسٹریٹیو بلاک میں رکھا گیا تھا۔

استقبالیہ تقریب میں محترم ڈاکٹر ممتاز احمد نے جماعت اسلامی کے وفد اور خاص طور پر امیر جماعت اسلامی ہند کی جامعہ آمد پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ ڈائرکٹر (اکیڈمکس) محترمہ شگفتہ ہارون نے پاور پریزنٹیشن کے ذریعے یونی ورسٹی کے مختلف شعبہ جات، ان کی کارکردگی اور مستقبل کے منصوبوں پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے بتایا کہ یونی ورسٹی میں اس وقت نو فیکلٹیاں اور چھ مستقل اکیڈمیاں، انسٹی ٹیوٹس اور سنٹرس کام کر رہے ہیں۔ فیکلٹیز میں عربی، اسلامک اسٹڈیز، شریعہ و قانون، اسلامک اکنامکس، سوشل سائنسز، لینگوتج، لٹریچر اینڈ ہیومنٹیز کے علاوہ بیسک اینڈ اپلائڈ سائنسز، انجینئرنگ و ٹیکنالوجی اور مینجمنٹ سائنسز کی فیکلٹیز بھی ہیں۔ دیگر اداروں میں دعوہ اکیڈمی، شریعہ اکیڈمی، علامہ اقبال انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ اور ادارہ تحقیقات اسلامی اہم ہیں۔ مؤخرالذکر ادارہ اردو میں فکرونظر، عربی میں الدراسات الاسلامیۃ اور انگریزی میں اسلامک اسٹڈیز کے نام سے بین الاقوامی معیار کے سہ ماہی مجلّات شائع کرتا ہے۔ محترمہ نے بتایا کہ اس وقت یونی ورسٹی میں طلبہ کی تعداد بیس ہزار ہے، جن میں تقریباً نو ہزار طالبات ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے ایک اہم بات کی طرف توجہ دلائی، وہ یہ کہ یونی ورسٹی حقیقی معنی میں بین الاقوامی یونی ورسٹی ہے، اس لیے کہ اس میں ۴۸ ممالک سے تعلق رکھنے والے طلبہ و طالبات تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

امیر جماعت مولانا عمری نے یونی ورسٹی میں ہونے والے تحقیقی کاموں پر مسرت کا اظہار کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ مختلف علوم وفنون میں اعلیٰ تحقیقی معیار کو اپنانے کی ضرورت ہے، تاکہ تحقیق کے ذریعے اسلام کی اصلی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جاسکے۔

آخر میں یونی ورسٹی کے نائب صدر جناب ڈاکٹر صاحبزادہ ساجدالرحمٰن صدیقی نے وفد کا جامعہ میں آمد پر شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر امیر جماعت نے صدر جامعہ کو ایک مومنٹو، اپنی منتخب تصانیف کا ایک سیٹ اور مجلّہ تحقیقات اسلامی کا تازہ شمارہ (اپریل -

جون ۲۰۱۲ء) پیش کیا۔ مجلّے کو ہاتھ میں لیتے ہی انھوں نے اس کے مضمون 'بوڑھوں کے عافیت کدے (Oldage Homes) اور اسلام' (جو راقم سطور کا تحریر کردہ ہے) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مضمون میرے کام کا ہے۔

استقبالیہ تقریب سے فارغ ہوکر ہم نے پورے کیمپس کا ایک راؤنڈ لیا۔ ہماری رہ نمائی کیلیے ڈاکٹر محمد طاہر منصوری استاذ شعبۂ قانون ہمارے ساتھ تھے۔ سات سو ایکڑ پر پھیلے ہوئے وسیع کیمپس میں جابجا فیکلٹیز، سنٹرس، ہاسٹلس اور لائبریری کی خوب صورت عمارتیں موجود تھیں، جن کی تعمیر کی یک رنگی اور یکسانیت متاثر کر رہی تھی۔ پھر بھی بہت زمین خالی پڑی تھی، جس میں آئندہ کے منصوبے کے تحت تعمیرات ہونی ہیں۔ ڈاکٹر منصوری نے بتایا کہ اس یونی ورسٹی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں تعلیم کے تمام مراحل میں طلبہ اور طالبات کیلیے علیٰحدہ نظم ہے۔ یونی ورسٹی کی مرکزی لائبریری بھی تین دن طلبہ کے لیے کھلتی ہے اور تین دن طالبات کے لیے۔

یونی ورسٹی کی طرف سے ظہرانے کا نظم فیصل مسجد کمپلیکس میں واقع یونی ورسٹی گیسٹ ہاؤس میں تھا۔ اس میں یونی ورسٹی کے نمایاں افراد شریک تھے۔ وہاں بھی کھانے کی میز پر صدر جامعہ کے ساتھ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ انھوں نے مولانا عمری کی تصنیف 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس کا ایک طویل اقتباس، جو انسانیت کی خدمت سے متعلق تھا، بلند آواز سے حاضرین کو سنایا، پھر فرمایا کہ اس قیمتی کتاب کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔ انہیں بتایا گیا کہ انگریزی میں اس کا ترجمہ شائع ہوچکا ہے۔ پھر انگریزی ترجمے کا ایک نسخہ بھی ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے مولانا کی کتاب 'اسلام انسانی حقوق کا پاسبان' کے انگریزی ترجمے کی طرف بھی توجہ دلائی۔ صدر جامعہ نے بتایا کہ پانچ سال قبل جب وہ امریکہ میں تھے تو جماعت اسلامی ہند کے بارے میں انہیں براہ راست معلومات حاصل

ہوتی رہتی تھیں۔ اس کے رسائل ماہنامہ 'زندگی نو'، ہفتہ وار 'ریڈیئنس اور سہ روزہ دعوت انہیں موصول ہوتے تھے اور وہ ان کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ مگر پاکستان آکر یہ سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔

صدر جامعہ نے تفریحِ طبع کے طور پر جماعت اسلامی پاکستان کے نائب امیر ڈاکٹر محمد کمال اور امیر جماعت اسلامی اسلام آباد و سابق ممبر نیشنل اسمبلی چودھری میاں اسلم کی طرف اشارہ کرکے مولانا عمری سے کہا: ''مولانا! ان لوگوں سے کہیے کہ سیاست میں اپنی دلچسپی کم کرکے آپ لوگوں کی طرح علمی کاموں کی طرف زیادہ توجہ دیں''۔

ظہرانے کے بعد ڈاکٹر ممتاز احمد صدر جامعہ نے مولانا عمری، ڈاکٹر محمد کمال اور راقم سطور کو یادگاری شیلڈ دیں اور یونی ورسٹی کی منتخب مطبوعات کا ایک سیٹ پیش کیا۔ تقریباً چار بجے وہاں سے فراغت ملی۔

اسلام آباد میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے نام سے جماعت اسلامی کا ایک معتبر اور معروف تحقیقی ادارہ ہے۔ مختلف عالمی امور ومسائل پر اس کی بہت سی مطبوعات ہیں اور مختلف زبانوں میں اس کے تحقیقی مجلّات شائع ہوتے ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان اس کے چیئرمین ہیں۔ وہ ان دنوں اپنے علاج کے سلسلے میں انگلستان میں تھے۔ مولانا عمری ان سے بڑی قربت محسوس کرتے ہیں۔ ان سے ملاقات نہ ہوسکنے کا انھیں اور ہم سب کو بہت افسوس رہا۔ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب خالد رحمٰن صاحب خواہش مند تھے کہ محترم امیر جماعت تھوڑی دیر کے لیے ان کے نئے دفتر میں تشریف لائیں، لیکن مسلسل سفر کی تکان اور یونی ورسٹی کے پروگرام میں زیادہ وقت صرف ہوجانے کی وجہ سے وہاں جانا ممکن نہ ہوسکا۔

معززین شہر کے درمیان عمومی خطاب

عصر کی نماز کے بعد میاں محمد اسلم صاحب کی رہائش گاہ پر جماعت اسلامی

اسلام آباد کی جانب سے عمومی خطاب کا پروگرام تھا۔ میاں صاحب پاکستان نیشنل اسمبلی کے ممبر رہ چکے ہیں۔ بڑی متحرک اور عوامی شخصیت کے مالک ہیں۔ اپنی رہائش گاہ کے بیسمنٹ میں انھوں نے ایک بڑا سا ہال بنوا رکھا ہے، جو تحریک کے بڑے پروگراموں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پروگرام شروع ہوتے ہی پورا ہال بھر گیا۔ کئی سو افراد کا مجمع تھا۔ شرکاء میں یونی ورسٹی کے مختلف شعبوں کے اساتذہ، طلبہ اور شہر کے معززین شامل تھے۔

میاں محمد اسلم کے استقبالیہ کلمات کے بعد محترم امیر جماعت نے خطاب کیا۔ انھوں نے تفصیل سے ہندوستانی مسلمانوں کے حالات، مسائل اور جماعت اسلامی کی کارکردگی پر روشنی ڈالی۔

اس پروگرام کی صدارت محترم قاضی حسین احمد صاحب سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان نے کی۔ انھوں نے اپنی صدارتی گفتگو میں فرمایا کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ ہماری تحریک کا مقصد کسی ملک کے ایوانوں میں آگ لگانا نہیں، بلکہ خیر کی طرف لوگوں کو بلانا ہے۔ اسلام اور جہاد کے نام پر لوگوں کو قتل کرنا اسلام کا طریقِ کار نہیں ہے۔

ملاقاتیں

نماز مغرب کے بعد کا وقت انفرادی ملاقاتوں کے لیے فارغ رکھا گیا تھا۔ اس موقع پر پروفیسر انیس احمد صاحب تشریف لائے۔ موصوف بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد کے تحت قائم دعوہ اکیڈمی کے صدر رہ چکے ہیں۔ کچھ وقت بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی ملیشیا میں بھی گزارا ہے۔ ان دنوں رفاہ انٹرنیشنل نامی ایک پرائیویٹ یونی ورسٹی کے چانسلر ہیں۔ تحریک اسلامی کی معروف شخصیت ہیں۔ گزشتہ چند سال سے ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور میں 'رسائل ومسائل' کالم کے تحت قارئین کے سماجی، نفسیاتی، علمی

اور دیگر سوالات کے ان کے قلم سے بڑے مؤثر جوابات شائع ہورہے ہیں۔ ان کا مجموعہ 'چندعصری مسائل' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ محترم امیر جماعت سے ملکی اور بین الاقوامی امور پر دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ امیر جماعت نے اپنی کتاب 'اسلام کی دعوت' کے تازہ ایڈیشن کا ایک نسخہ ان کی خدمت میں پیش کیا اور انھوں نے اپنی مذکورہ بالا کتاب کا ایک ایک نسخہ امیر جماعت اور راقم سطور کو دیا۔

یونی ورسٹی سے نکلنے والے ششماہی انگریزی مجلّہ Insights کے ایڈیٹر جناب عبدالرحمٰن صالح نے سیرت نبویؐ پر مجلّے کا خصوصی شمارہ، جو حال میں شائع ہوا ہے، پیش کیا۔ اسی طرح اس موقع پر علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد کے استاد حافظ سجاد احمد سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان حضرات سے دیر تک مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔

ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری سے امیر جماعت کے اپنے پچھلے سفر میں بے تکلفی کے تعلقات قائم ہوگئے تھے۔ ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان دنوں شدید علیل ہیں۔ موصوف تحریک اسلامی کی معروف شخصیت ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن کا معیاری انگریزی ترجمہ ان کا یادگار کارنامہ ہے۔ محترم امیر جماعت نے ان کی عیادت کی خواہش ظاہر کی، مگر ان کے یہاں جانے کا نظم نہ ہوسکا، اس لیے انھوں نے فون ہی سے ان کی خیروعافیت دریافت کرنے پر اکتفا کیا۔

لاہور واپسی

۱۲؍جون کو اسلام آباد سے صبح سات بجے کی فلائٹ سے ہم لاہور واپس آگئے۔ لاہور ایئر پورٹ پر اچانک علامہ تسخیری سے ملاقات ہوگئی، جو اسی فلائٹ سے آئے تھے۔ موصوف ایران کی مشہور اور سرکردہ مذہبی شخصیت ہیں۔ اتحاد بین المسلمین کے لیے کوشاں اور سرگرم عمل رہتے ہیں۔ محترم امیر جماعت کا اُن سے تعارف تھا اور بعض

پروگراموں میں ان سے ملاقات ہوچکی تھی۔ بڑے تپاک سے ملے اور خیر وعافیت دریافت کی۔ انھوں نے بتایا کہ کل یعنی ۱۳ر جون کو مرکز جماعت اسلامی پاکستان منصورہ میں ایک پروگرام میں شرکت کرنے کے لیے آنا ہے۔ یہ بھی کہا کہ میرا ہندوستان بھی جانے کا ارادہ ہے۔ اس موقع پر ان شاء اللہ مرکز جماعت اسلامی ہند ضرور آؤں گا۔

منصورہ پہنچ کر محترم امیر جماعت نے آرام کرنا چاہا۔ میں نے اس وقت کو غنیمت جانا اور چاہا کہ مرکز جماعت کے کیمپس میں واقع مختلف اداروں کا معائنہ کرلوں۔ سب سے پہلے میں ماہ نامہ ترجمان القرآن کے دفتر پہنچا۔ وہاں نائب مدیر جناب مسلم سجاد اور اس کے اشاعتی ادارہ منشورات کے ناظم جناب محمد زبیر عابد سے ملاقات ہوئی۔ زبیر صاحب سے تو دہلی میں ہر دوسال پر منعقد ہونے ورلڈ بک فیئر میں کئی بار ملاقات ہوچکی تھی، مسلم سجاد صاحب سے بالمشافہہ یہ پہلی ملاقات تھی۔ ان سے محبت اور عقیدت کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ تحریک اسلامی کے قائد سابق نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان مرحوم خرم مراد کے بھائی ہیں، لیکن وہ خود بھی بڑے صاحب علم وفضل اور باغ وبہار شخصیت کے مالک ہیں۔ بڑی محبت اور اپنائیت سے ملے۔ لاہور میں قیام کے دوران ان سے بار ہا ملاقاتیں رہیں۔ اسی عمارت میں جماعت کے شعبۂ تعلیمات کا دفتر ہے۔ وہاں سے تعلیم کے نام سے ایک ماہانہ مجلّہ بھی نکلتا ہے۔ اس کے ذمہ داروں سے مختصر ملاقات رہی۔ ادارۂ معارف اسلامی میں اس کے ناظم جناب محمد انور گوندلی اور محقق مولانا عبدالوکیل علوی سے ملاقات ہوئی۔ مولانا علوی کی شہرت تحریکی حلقہ میں اس اعتبار سے ہے کہ انہوں نے جناب نعیم صدیقی مرحوم کے ساتھ مل کر سیرت نبوی سے متعلق مولانا مودودیؒ کی منتشر تحریروں کو'سیرت سرور عالمؐ' کے نام سے دو جلدوں میں یکجا کردیا ہے۔ (یہ دونوں جلدیں مکی عہد کا احاطہ کرتی ہیں) اسی طرح انہوں نے مولانا مودودیؒ کی تحریروں میں مذکور احادیث کی تخریج وتحقیق کی خدمت بھی انجام دی ہے۔ اس کی

اشاعت آٹھ جلدوں میں تفہیم الاحادیث کے نام سے ہوچکی ہے۔ معلوم ہوا کہ سیرت سرور عالم کی تیسری جلد کی بھی ترتیب وتدوین کرلی گئی ہے، جو مدنی عہد پر مشتمل ہوگی۔ اسی طرح فقہ کے موضوع پر مولانا مودودی کی تحریروں کی ترتیب وتدوین کا کام جاری ہے اور اس کی کئی جلدیں تفہیم احکام القرآن کے نام سے شائع ہوچکی ہیں۔ اسلامک پبلی کیشنز اور مکتبہ معارف اسلامی بھی جانا ہوا اور وہاں سے اپنی پسند کی کچھ کتابیں خریدیں۔ اسلامک پبلی کیشنز کے ڈائریکٹر جناب عبدالحفیظ احمد نے بتایا کہ انہوں نے حال میں مولانا مودودی کی خطبات کا سواں (۱۰۰) ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ انہوں نے راقم کو عنایت کیا۔ ایک ادارہ 'سمع وبصر' کے نام سے ہے، جو اکابر تحریک کی تقاریر اور بچوں اورنوجوانوں کی دلچسپی کی سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز تیار کرتا ہے۔ وہاں سے کچھ چیزیں خریدیں۔ مرکز جماعت کے کیمپس سے متصل ہی جماعت اسلامی حلقۂ پنجاب کے مرکزی دفاتر ہیں۔ وہاں کے ذمہ داروں سے بھی ملاقات رہی۔

سیدمودودی اکیڈمی کا افتتاح

آج (۱۲رجون) کا ایک خاص پروگرام محترم امیر جماعت کے ہاتھوں سیدمودودیؒ اکیڈمی کا افتتاح تھا۔ یہ اکیڈمی مولانا مودودیؒ کی رہائش گاہ (۵راے ذیل دار پارک، اِچھرا) پر قائم کی گئی ہے۔اس رہائش گاہ کو مولانا مرحوم کے وارثوں نے جماعت اسلامی کو ہبہ کردیا ہے اور جماعت نے اسے اسلامی جمعیت طلبہ کے سپرد کردیا ہے۔ جمعیت نے اس میں طلبہ کی تعلیمی ضرورت کے پیش نظر ایک لائبریری قائم کی ہے۔ اس کے علاوہ جمعیت نے وہاں ایک اکیڈمی قائم کرنے کا بھی منصوبہ بنایا ہے، جو تدریسی اور تحقیقی دونوں طرح کے کام انجام دے گی۔ امیر جماعت سے اس کے افتتاح کی خواہش کی گئی تھی۔

عصر کی نماز کے بعد ہم اچھرہ پہنچے تو جمعیت کے نوجوانوں نے پُرجوش نعروں

کے ذریعے استقبال کیا اور پھولوں کی بارش کی۔ سب سے پہلے ہم نے مولانا مودودی کی قبر پر پہنچ کر فاتحہ خوانی کی۔ وہ لمحات میرے لیے بڑے جذباتی تھے۔ جس شخصیت کے نام سے میرے کان بچپن سے آشنا تھے، جس کی تحریروں کو پڑھ کر مجھے اسلام سے شعوری وابستگی حاصل ہوئی ہے، اس وقت میں اس کی قبر کے سامنے کھڑا اس کے حق میں دُعائے مغفرت کررہا تھا۔ افتتاحی تقریب سے ڈائریکٹر ادارۂ معارف اسلامی لاہور جناب حافظ محمد ادریس ، ڈائریکٹر امور خارجہ جماعت اسلامی پاکستان جناب عبدالغفار عزیز، جمعیت کے سابق ناظم اعلیٰ جناب ظفر جمال بلوچ ، موجودہ ناظم اعلیٰ جناب زبیر صفدر اور مولانا مودودیؒ کے صاحب زادگان: جناب خالد فاروق مودودی، جناب عمر فاروق مودودی اور جناب محمد فاروق مودودی نے خطاب کیا۔ میں نے بھی دو جملے کہے۔ آخر میں محترم امیر جماعت نے خطاب کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اسلامی جمعیت طلبہ تحریک اسلامی کا سرمایہ ہے، اس کی مضبوطی اور ترقی تحریک اسلامی کی مضبوطی ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ مولانا مودودی کی یاد میں قائم ہونے والی یہ تدریسی وتحقیقی اکیڈمی ان شاء اللہ اقامت دین کے لیے فکری سرمایہ فراہم کرے گی۔ آخر میں مولانا نے تدریسی اکیڈمی میں جاری فہم دین کلاسز کے شرکاء میں اسناد بھی تقسیم کیں۔

معززین شہر لاہور کے ساتھ الوداعی عشائیہ

بعد نماز عشاء امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب سید منور حسن صاحب نے امیر جماعت مولانا عمری کے اعزاز میں ایک عشائیہ کا اہتمام کیا ، جس میں سماج کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات کو بھی مدعو کیا۔ یہ بڑی یادگار تقریب تھی۔ اسٹیج پر دونوں امرائے جماعت کے علاوہ سابق صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ، تنظیم اسلامی کے امیر جناب حافظ عاکف سعید، جمعیۃ علمائے پاکستان کے رہ نما پیر اعجاز

ہاشمی، مولانا محمد علی قصوری، جماعت اسلامی کے نائب امیر مولانا محمد اسلم سلیمی، تحریک انصاف کے جناب حفیظ اللہ نیازی،اردو ڈائجسٹ کے بانی مدیر جناب الطاف حسن قریشی اور روزنامہ پاکستان کے مدیر اعلیٰ جناب مجیب الرحمٰن شامی جلوہ افروز تھے۔ نظامت کے فرائض ڈائریکٹر امور خارجہ جماعت اسلامی پاکستان جناب عبدالغفار عزیز انجام دے رہے تھے۔ دیگر مہمانوں میں شیخ الحدیث مرکز علوم اسلامیہ منصورہ مولانا عبدالمالک، ایڈیٹر سیارہ ڈائجسٹ جناب حفیظ الرحمٰن احسن، جناب رفیع الدین ہاشمی، نائب مدیر ماہنامہ ترجمان القرآن جناب مسلم سجاد، ناظم اعلیٰ جمعیۃ اتحاد العلماء علامہ غلام رسول راشدی، جسٹس (ر) شیخ خضر حیات، ڈائریکٹر سید مودودی انسٹی ٹیوٹ ڈاکٹر شبیر منصوری، ایڈیٹر ماہنامہ محدث مولانا حسن مدنی، ایڈیٹر روزنامہ نئی بات اور بزرگ صحافی جناب عطاء الرحمٰن، سینئر صحافیوں میں اور یا مقبول جان، جنید سلیم، سجاد میر، ایم طفیل، ذوالقرنین، اور دیگر بہت سے معزز وموقر حضرات، جن کے نام یاد نہیں رہ سکے، اس تقریب میں موجود تھے۔

محترم امیر جماعت مولانا عمری نے جماعت اسلامی پاکستان کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی بدولت بہ یک وقت سماج کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والی پاکستان کی اہم شخصیات سے ملاقات کا موقع حاصل ہوا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ہم اسلام کو اللہ کا دین سمجھتے ہیں اور کوئی اس کا انکار کرے تو اس سے لڑ پڑتے ہیں، لیکن اس کے آثار ہماری زندگیوں میں نظر نہیں آتے۔ مولانا نے فرمایا کہ دنیا میں آج قومیت کا تصور غالب ہے۔ ہر ملک کی سوچ اپنے مفاد تک محدود ہوکر رہ گئی ہے۔ جب کہ اسلام نے بین الاقوامیت کا تصور دیا ہے۔ضرورت ہے کہ اس بین الاقوامیت کو پھر سے نمایاں کیا جائے۔ آخر میں انھوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی، مختلف ریاستوں میں ان کے حالات ، ان کی سماجی وسیاسی حیثیت، ان کی دینی وسیاسی تنظیموں کی کارکردگی اور

جماعت اسلامی ہند کی خدمات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب سید منورحسن صاحب نے مولانا عمری کے اس دورہ کو خوش آئندہ قرار دیتے ہوئے توقع ظاہر کی کہ یہ دورہ ان شاء اللہ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے باعث خیروبرکت ہوگا۔

عشائیہ سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر عمائدین سے ملاقات اور گفتگو رہی۔ یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ سابق صدر پاکستان جناب رفیق تارڑ فارسی کا بہت عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ محترم امیر جماعت سے ملتے ہوئے وہ دیر تک فارسی اشعار سناتے رہے۔ پھر فرمایا: بسلامت روی وباز آئی۔

واپسی کا دن

۱۳رجون کو ڈھائی بجے کی فلائٹ سے ہماری واپسی تھی۔ یہ نصف دن بھی مصروفیت میں گزرا۔ صبح ناشتہ کے وقت اُردو ڈائجسٹ کی ٹیم آ گئی۔ اس نے محترم امیر جماعت کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ ان دنوں جماعت کی مرکزی تربیت گاہ میں پروگرام چل رہا تھا۔ جماعت اسلامی پاکستان نے اپنے ارکان اور کارکنان کی تربیت کے لیے مرکزی تربیت گاہ میں ہر ماہ پانچ دن خاص کر رکھے ہیں۔ تربیت کا ایک نصاب بھی تیار کیا ہے۔ تربیتی پروگرام میں ہر ماہ پورے پاکستان سے دوڈھائی سو افراد اکٹھا ہوتے ہیں۔ اس کے نگراں جناب حافظ محمد ادریس کی خواہش پر امیر جماعت تربیت گاہ تشریف لے گئے اور شرکاء سے خطاب کیا۔ اس میں انھوں نے تزکیہ وتربیت کی اہمیت اور اس کے تقاضے بیان کیے۔ جناب مسلم سجاد صاحب، ماہ نامہ ترجمان القرآن کے لیے امیر جماعت سے انٹرویو لینا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے ۷رجون کو بھی خواہش ظاہر کی تھی، مگر مصروفیات کی وجہ سے اس کے لیے وقت نہ نکالا جاسکا۔

الوداعی ملاقات کے لیے پنجاب یونی ورسٹی کے ڈاکٹر حافظ محمد عبداللہ بھی تشریف لائے۔ موصوف وہاں شیخ زاید اسلامک سینٹر میں استاد اور ششماہی مجلہ 'جہات الاسلام' کے مدیر ہیں۔ وہ ۷/جون کو بھی آئے تھے اور برابر خواہش مند رہے کہ محترم امیر جماعت یونی ورسٹی کے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے لیے کچھ وقت دیں، مگر پروگراموں کی کثرت کی بنا پر اس کا موقع نہ مل سکا۔ لاہور کی ایک قابل ذکر شخصیت جناب سجاد الٰہی صاحب کی ہے۔ موصوف ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے ترجمان سہ ماہی تحقیقات اسلامی کی کاپیاں بڑی تعداد میں منگاتے ہیں اور ان کے واسطے سے یہ مجلّہ پاکستان کے تمام علمی حلقوں میں پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان سے شائع ہونے والے دیگر علمی مجلّات اور اسلامیات پر اہم کتابیں بھی وہ اپنے ذرائع سے منگاتے اور شائقین کو فراہم کرتے ہیں ۔وہ بھی تشریف لائے اور بڑی محبت اور اپنائیت سے ملے۔

چند مشاہدات

پاکستان کا ایک ہفتہ کا یہ دورہ بہت ہمہ ہمی اور مصروفیت میں گزرا۔ منتظمین نے جو پروگرام ترتیب دیے تھے وہ اتنے زیادہ تھے کہ محترم امیر جماعت نے ان تمام میں شرکت سے معذوری ظاہر کی۔ اس لیے بعض پروگرام، اعلان کے باوجود کینسل کردیے گئے۔ بہرحال ایک ہفتہ میں امیر جماعت نے پاکستان کے شہروں:لاہور، کراچی، حیدرآباد اور اسلام آباد کے اہم پروگراموں میں شرکت کی اور بڑے اجتماعات سے خطاب کیا۔ اس دورہ میں مجموعی طور پر تین مشاہدات سامنے آئے:

اوّل یہ کہ امیر جماعت اسلامی ہند کے دورۂ پاکستان کے نتیجے میں جماعت اسلامی پاکستان کے ارکان وکارکنان میں بہت زیادہ جوش وخروش دکھائی دیا۔ جماعت اسلامی ہند اور جماعت اسلامی پاکستان کے درمیان اگرچہ دستوری طور پر کوئی تعلق نہیں ہے۔ دونوں اپنے اپنے ملکوں میں آزادانہ طور پر دین کی خدمت انجام دے

رہی ہیں، لیکن دونوں کا فکری رشتہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ذات سے جاملتا ہے، اس بنا پر دونوں کے وابستگان باہم بہت زیادہ قربت اور اپنائیت محسوس کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جسے ہر عام وخاص محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ امیر جماعت کے دورۂ پاکستان کے موقع پر پاکستان کے مشہور صحافی جناب حامد ریاض ڈوگر نے روزنامہ جسارت (۱۵رجون) کے اپنے کالم میں لکھا ہے:

''مفکر اسلام، مفسر قرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تجدید واحیائے دین اور غلبۂ اسلام کی جدوجہد کی خاطر جماعت اسلامی کے نام سے جس تنظیم کی اساس رکھی تھی اس کا کام آج دنیا بھر میں اپنی جگہ بنا چکا ہے۔ بہت سے ملکوں میں مولانا کی فکر کے علم بردار مختلف ناموں سے منظّم اور مصروفِ عمل ہیں۔ تاہم برصغیر کے اکثر ممالک میں یہ تنظیم جماعت اسلامی ہی کے نام سے کام کررہی ہے۔ بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان میں قائم جماعت اسلامی کی تنظیموں میں اگرچہ باہم کوئی تنظیمی تعلق تو موجود نہیں، مگر یہ سب آپس میں کمال درجے کی فکری ہم آہنگی رکھتی ہیں۔ کام کا طریق کار بھی اپنا اپنا ہے، مگر مقصد اور منزل سب کی ایک ہے۔ چنانچہ دائرہ کار الگ الگ ہونے کے باوجود مقصد اور منزل کی یکسانیت کے باعث ان کے کارکنوں کے دل بھی ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ یہ اگرچہ پہلے سے معلوم ایک حقیقت ہے، مگر گزشتہ دنوں جماعت اسلامی ہند کے امیر مولانا سید جلال الدین عمری ایک ہفتے کے دورے پر پاکستان تشریف لائے تو یہ احساس اُجاگر ہوکر سامنے آیا۔''

دوم یہ کہ اجتماعات اور عوامی مجلسوں میں جن لوگوں سے ملاقات ہوئی انہیں ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں بہت زیادہ متفکر پایا۔ عموماً ان کی جانب سے اس طرح کے سوالات کیے جاتے تھے: ہندوستان میں مسلمان کن حالات میں زندگی گزار رہے ہیں؟ تعلیم اور معیشت کے میدانوں میں وہ کس مقام پر ہیں؟ غیر مسلموں سے ان

کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ سیاسی میدان میں ان کا اثر ورسوخ کس حد تک ہے؟ مسلمانوں کی دینی تنظیمیں کس طرح کام کررہی ہیں اور ان کے باہم تعلقات کیسے ہیں؟ یہ فکر مندی ان مسلمانوں میں زیادہ محسوس ہوئی جو ہندوستان سے ہجرت کرکے گئے ہیں، یا مہاجرین کے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح یہ خواہش بھی ہر جگہ دیکھنے میں آئی کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بہتر تعلقات ہوں، جنگ کے بجائے امن کی باتیں کی جائیں، لوگوں کو ایک طرف سے دوسری طرف جانے آنے کی سہولیات فراہم کی جائیں۔ اس سلسلے میں جو کوششیں ہورہی ہیں ان کے بارے میں متعدد مواقع پر امیر جماعت سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے ان کی پرزور تائید کی۔

سوم یہ کہ امیر جماعت کے اس دورہ کو پاکستانی میڈیا نے خوب کورتج دیا۔ ہر شہر میں ایرپورٹ ہی پر مختلف ٹی وی چینلس کے نمائندے گھیر لیتے تھے۔ اجتماعات اور عوامی پروگراموں کی خبریں ٹی وی چینلس پر نشر اور اخبارات میں شائع ہوئیں۔ مشہور کالم نویسوں نے اپنے اخبارات میں کالم لکھے۔ متعدد بڑے اخبارات کے نمائندوں نے طویل انٹرویو لیے۔ غرض دورہ کی مدت میں اور اس کے کچھ دنوں بعد تک پاکستانی میڈیا میں امیر جماعت کے دورہ کا ذکر رہا۔ عموماً ہندوستان سے جانے والی سیاسی شخصیات، فلمی ہستیوں اور کھیل کود سے وابستہ افراد کو تو میڈیا میں خوب کورتج ملتا ہے، لیکن ایسا کم ہی مشاہدہ میں آتا ہے کہ کسی مذہبی اور دینی شخصیت کی اس قدر پذیرائی کی گئی ہو۔

☆☆☆

خطبات

قرآن حکیم- کتابِ انقلاب

کامیابی اور ناکامی کا حقیقی معیار

راہِ حق میں کامیابی کے اصول

زندگی میں ہمہ گیر تبدیلی مطلوب ہے

اسلامی نقطۂ نظر کو دلائل کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے

اکیسویں صدی میں تحریک اسلامی کو درپیش چیلنجز

غلبۂ دین کے لیے علمی وفکری تیاری کی ضرورت

تحریک اسلامی کو درکار علمی وفکری کام اور اس کے لیے مطلوب افراد

ہندوستانی مسلمانوں کی دینی شناخت

جماعت اسلامی ہند کی خدمات اور سرگرمیاں

انٹرویو روزنامہ 'نئی بات' لاہور

انٹرویو ماہ نامہ 'اردو ڈائجسٹ' لاہور

قرآنِ حکیم ـــ کتابِ انقلاب

۸/ جون ۲۱۰۲ء کو بعد نماز عصر جماعت اسلامی کراچی کے ادارۂ نورحق کے ذریعے منعقدہ بین الاقوامی قرآن نمائش کے افتتاح کے موقع پر کیا گیا خطاب۔

یہ میرے لئے خوشی اور سعادت کا موقع ہے کہ مجھے قرآن مجید کے اس پروگرام میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ اس کے لئے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اسی کے ساتھ جماعت اسلامی کراچی اور ذمے دارانِ جماعت اسلامی پاکستان کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے یہ موقع فراہم کیا۔

قرآن کتابِ محفوظ ہے

بزرگو اور دوستو!

آپ اس نمائش کو دیکھیں گے تو سب سے پہلی بات جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اس کتاب کی حفاظت کا پہلے ہی روز سے انتظام کیا ہے۔ کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں اس کتاب کی حفاظت کا انتظام نہ کیا گیا ہو اور اس سلسلے کی کوششیں نہ ہوئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا تھا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۝۹ (الحجر:۹)

''ہم نے یہ ذکر اتارا ہے، اور اس کی حفاظت کی ذمے داری ہماری ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپؐ پریشان نہ ہوں، اطمینان رکھیں، جو وحی آپؐ پر نازل ہورہی ہے اس کی تلاوت کرتے جائیں، اس کی حفاظت کا کام ہمارا ہے، وحی جب نازل ہورہی ہوتو اطمینان سے اسے سنیں، جلدی نہ کریں۔ یہ ہماری ذمے داری ہے کہ اسے آپ کے دل میں بٹھا دیں گے اور آپ اسے دنیا کو سنائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ (الاعلیٰ:٦)

''ہم اس طرح آپ کو پڑھا دیں گے کہ آپ بھولیں گے نہیں''۔

میرے دوستو اور ساتھیو!

کبھی کبھی میں کہتا ہوں کہ آج میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ میں وہی قرآن پڑھ رہا ہوں جو حضرت محمد ﷺ کی زبان مبارک سے سنا گیا تھا اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کے ذریعے بعد کے لوگوں تک پہنچا تھا۔ اس وقت آسمانی کتابوں میں سے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں کہا جاسکے کہ یہ وہی کتاب ہے جو پہلی مرتبہ دنیا کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ کوئی اسے مانے یا نہ مانے، لیکن اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن مجید، جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے، وہی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جسے آپؐ نے سنا اور دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بے شمار انتظامات کیے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو آج بھی پورے عالم میں پڑھی، لکھی اور یاد کی جاتی ہے۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس کے سینے میں اس کا کچھ حصہ محفوظ نہ ہو۔

قرآن کے ذریعے برپا ہونے والا انقلاب

یہ کتاب دنیا میں انقلاب بن کر آئی ۔ دنیا میں بہت سے انقلابات آتے

رہے ہیں۔ جب ہم انقلاب کا لفظ کہتے ہیں تو عموماً اس سے سیاسی انقلاب مراد لیا جاتا ہے، لیکن قرآن کے ذریعے برپا ہونے والا انقلاب ہمہ جہت تھا، ہر پہلو سے تھا۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس میں اس کے ذریعے تبدیلی نہ آئی ہو۔ اس نے انسان کو نیا عقیدہ دیا، نیا فکر دیا، عبادات کے نئے طریقے بتائے، اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی، معیشت اور معاشرت کے اصول بتائے، سیاست کے طور طریقے بتائے، عدل و انصاف کا قانون بتایا۔ اس نے دنیا کو ایک نیا راستہ دکھایا اور ایک نیا طریقۂ حیات بتایا۔ اس نے کہا: انسان اس بات کا محتاج ہے کہ اسے اللہ ہدایت و رہنمائی عطا فرمائے اور وہ ہدایت قرآن کی شکل میں موجود ہے۔ اب کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کہا جاسکے کہ اللہ نے ہدایت نہیں فراہم کی ہے۔ اتنا بڑا انقلاب دنیا میں کہیں نہیں آیا۔ اس کے بغیر اتنا بڑا انقلاب آ بھی نہیں سکتا۔ آج دنیا اس بات کی محتاج ہے کہ اس کا پورا نظام بدل دیا جائے، کیونکہ بگاڑ ہر طرف سے آیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس بگاڑ کو دور کرنے کے لئے قرآن کی بنیاد پر کوئی انقلاب آئے۔ اس کے بغیر جو انقلاب آئے گا، ہوسکتا ہے کہ اس سے کوئی چھوٹی موٹی تبدیلی آجائے، لیکن بنیادی فکر نہیں بدلے گا اور زندگی کا مجموعی رخ نہیں بدلے گا۔

قرآن نجات کی راہ دکھاتا ہے

میرے دوستو!

یہ کتاب انسانوں کو راہ نجات دکھانے کے لئے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کتاب محمد ﷺ کی تصنیف نہیں ہے، یہ ان کے ذہن کے خیالات نہیں ہیں، ان کی سوچ بچار نہیں ہے، بلکہ یہ کتاب ہم نے اتاری ہے اور اس لئے اتاری ہے کہ یہ دنیا ظلمتوں میں گھری ہوئی ہے۔ تاریکی ایک نہیں ہے، ہزاروں طرح کی تاریکیاں ہیں۔ عقیدے کی تاریکی ہے، عمل کی تاریکی ہے، فکر کی تاریکی ہے، تہذیب و معاشرت کی

تاریکی ہے، بے شمار تاریکیاں ہیں۔ اے محمد ﷺ آپ کا کام یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعے دنیا کو تاریکیوں سے نکالیں اور روشنی میں لے آئیں"۔(ابراہیم:۱)

قرآن کریم کے بارے میں یہ بھی کہا گیا کہ یہ کتاب انسان کو صحیح راستہ دکھاتی ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل:۹)

"یہ قرآن جو راستہ دکھاتا ہے وہ بالکل سیدھا، سچا ہے اور اس میں کوئی کجی نہیں ہے۔"

انسان کسی راستے پر چلتا ہے تو اسے احساس رہتا ہے کہ کہیں وہ کسی غلط راہ پر تو نہیں جارہا ہے۔ لیکن قرآن حکیم جو راستہ دکھاتا ہے اس میں کہیں کوئی کجی نہیں ہے، کوئی خرابی نہیں ہے، کوئی کمی نہیں ہے۔ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی سیدھا اور سچا راستہ اختیار کرنا چاہے تو اس کے لئے یہی ایک راستہ ہے۔ آگے فرمایا کہ یہ کتاب خوش خبری سناتی ہے ان لوگوں کو جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے مطابق زندگی گزارتے ہیں:

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۹)

"اور وہ خوش خبری دیتا ہے ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کریں کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔"

اس آیت میں دو باتیں بتائی گئی ہیں: ایک یہ کہ قرآن حکیم خوش خبری ہے، بشارت ہے، مژدہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، دل سے یقین رکھتے ہیں، اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسی میں راہ ہدایت ہے اور اس کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم میں سے کون ہے جو کہے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں ہے، لیکن مطالبہ یہ ہے کہ اس پر ایمان بھی لائیں اور اس کے مطابق زندگی بھی گزاریں۔ اسی طرح جو لوگ اللہ پر یقین نہیں رکھتے اور آخرت پر

یقین نہیں رکھتے ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب وعید سناتی ہے کہ جو راستہ تم نے اختیار کیا ہے وہ غلط ہے۔ آج کے انسان کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اس نے آخرت کو فراموش کردیا ہے اور دنیا کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ۝ (الروم:۷)

''یہ لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو دیکھتے ہیں اور آخرت سے وہ خود ہی غافل ہیں۔''

قرآن حکیم ایسے لوگوں کو ڈراتا ہے کہ یہ روش خدا کے عذاب کو دیتی ہے، اس سے دور رہو۔

عروج اور سربلندی کے لیے قرآن پر عمل ضروری ہے

دوستو اور ساتھیو!

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو اس امت نے جب تھاما تو اس کی زندگی بدل گئی۔ قرآن حکیم نے کہا کہ انسان ایسا ہوتا ہے اور واقعی وہ ایسے ہی انسان تھے۔ اس کتاب نے نہ صرف یہ کہ چند افراد کو بدلا، بلکہ پوری ایک ملت تیار کی۔ اس کے ذریعے دنیا کے اندر وہ انقلاب آیا کہ اس سے بہتر انقلاب کا آپ تصور نہیں کرسکتے اور اس سے زیادہ کامیاب انقلاب کو چشم فلک نے نہیں دیکھا۔ ایسا زبردست انقلاب چند افراد کے ذریعے نہیں آسکتا تھا۔ یہ اس وقت آیا جب ایک پوری امت نے اسے قبول کیا، خود بھی اس پر عمل کیا اور دنیا تک اسے پہنچایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے۔ مکہ کے گورنر نے ان سے حج کے موقع پر عرفات میں ملاقات کی۔ انھوں نے دریافت کیا: تم مکہ سے آئے ہو، تمہارا جانشین کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ابن ابزیٰ۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: یہ ابن ابزیٰ کون ہے؟ کہا: وہ ایک آزاد کردہ غلام ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: مکہ پر ایک

غلام کو تم نے اپنا جانشین بنا دیا؟ گورنر نے جواب دیا: اے امیرالمؤمنین! وہ قرآن پڑھنے والا ہے، اس کا علم رکھتا ہے، قاضی ہے، فیصلے کرسکتا ہے، یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہ آخَرِیْنَ۔

(مسلم:۸۱۷)

''اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو اس کے ذریعے اوپر اٹھائے گا اور کچھ لوگوں کو پست کرے گا''

میرے دوستو!

یہ کتاب آپ کو اس مقام تک پہنچانا چاہتی ہے جہاں سے دنیا کی امامت وقیادت کی جاتی ہے، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم اس کے لئے تیار ہوں۔ ہمیں اور آپ کو سوچنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کیا قرآن مجید جس مقصد کے لئے نازل ہوا وہ ہمارے سامنے ہے؟ کیا ہم اس پر چل رہے ہیں؟ اور کیا ہم نے یہ سمجھا ہے کہ یہی ہمارا دستور حیات ہے؟ کیا ہمارا ایمان و یقین ہے کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ظلمت اور گم راہی ہے؟ کیا ہم نے قرآن حکیم کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی ہے؟

قرآن حکیم کا وعدہ ہے کہ تم سربلند رہوگے، ترقی کروگے۔ یہ وعدہ اسی وقت پورا ہوگا جب ہم قرآن کریم پر عمل کریں گے۔ قرآن حکیم نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں، اس وقت جب کہ ابھی ان کا اقتدار دنیا پر قائم نہیں ہوا تھا، کہا تھا:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

(الحج:۴۱)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

یہ سند تھی صحابہ کرامؓ کے برحق ہونے کی اور اس بات کی کہ اقتدار ان کو کیوں دیا جارہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم نے انہیں زمین میں اقتدار دیا تو وہ نماز قائم کریں گے، اقتدار ملنے کے بعد خدا کو بھول نہیں جائیں گے ۔ یہ لوگ ایسے نہیں ہیں کہ جب تک اقتدار حاصل نہیں ہے تو خدا کو یاد کریں گے، گڑگڑائیں گے، سجدے میں پڑے رہیں گے، دعائیں کریں گے، لیکن جب اقتدار مل جائے گا تو اللہ تعالیٰ کو بھول جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ان کو اقتدار مل جائے تب بھی یہ خدا کو یاد کریں گے ۔ یہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ جب تک اقتدار نہیں ہوگا انسانوں کے حقوق کا چرچا کریں گے کہ غریبوں کی مدد ہونی چاہئے ، ناداروں کے ساتھ تعاون ہونا چاہئے اور کمزوروں کو اوپر اٹھانا چاہئے، لیکن جب اقتدار مل جائے گا تو یہ سب بھول جائیں گے، بلکہ اس وقت اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کریں گے، بھلائی کا حکم دیں گے، اس کی دعوت دیں گے، تبلیغ کریں گے، نصیحت کریں گے اور طاقت کے ذریعے بھلائی کو نافذ کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے ، زبان سے، طاقت وقوت سے، اثرورسوخ سے اور حکومت کے ذریعے ۔

میرے دوستو اور ساتھیو!

اس پہچان کے بعد اس امت کے حوالے دنیا کا اقتدار کیا گیا۔ اگر ہم کہتے ہیں کہ ہم بھی قرآن حکیم پر ایمان لائے ہیں، لیکن ہم کیوں پیچھے ہیں؟ تو آپ یہ دیکھئے کہ قرآن نے اقتدار کا وعدہ کن لوگوں سے کیا تھا، اس اعتماد کے ساتھ کہ یہ راہِ راست پر جمے رہیں گے، غلط راستے پر نہیں چلیں گے۔ اقتدار ملنے سے پہلے بھی وہ اللہ کے بندے ہوں گے اور اقتدار ملنے کے بعد بھی وہ اللہ کے بندے بنے رہیں گے۔ اقتدار ملنے سے پہلے بھی وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہے ہوں گے اور اقتدار کے ملنے کے بعد بھی وہ یہ خدمت انجام دیں گے۔

میرے دوستو اور ساتھیو!

اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب اس لئے آئی ہے کہ ہمیں اوپر اٹھائے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رسّی ہے۔ کہا گیا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۖ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ (آل عمران: ۱۰۳)

''سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور تفرقے میں نہ پڑو۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔''

میرے دوستواور ساتھیو!

قرآن حکیم کو دیکھئے، اس کی عظمت کو جانیے ، اسے سینے سے لگایئے، آنکھوں سے لگایئے، اسے چومیے، لیکن سب سے پہلے اسے دل میں اتاریئے، عہد کیجئے کہ اس کے ایک ایک حکم پر عمل کریں گے ، اس کے بعد دنیا کی امامت و قیادت آپ کے حوالے کی جائے گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

☆☆☆

کامیابی اور ناکامی کا حقیقی معیار

۱۰/جون ۲۰۱۲ء کو بعد نماز مغرب حیدرآباد (سندھ) میں ایک بڑے مجمع میں کیا گیا خطاب۔

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

وَ الْعَصْرِۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴿۳﴾

''زمانے کی قسم، بے شک انسان خسارہ میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، نیک عمل کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔''

میرے دوستو اور ساتھیو!

اس وقت پورے عالم میں اسلامی تحریکات پھیلی ہوئی ہیں۔ ان سب کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے اور یہ ہمارا مسئلہ بھی ہے کہ ہم دنیا میں جو تبدیلی دیکھنا چاہتے ہیں وہ فی الواقع کہیں نظر نہیں آرہی ہے۔ کوششیں ہورہی ہیں۔ کہیں کہیں تھوڑی بہت کامیابی کے آثار نظر آرہے ہیں، لیکن جو بڑی تبدیلی آپ دیکھنا چاہتے ہیں اور اسلام کو جس شکل میں آپ قائم کرنا چاہتے ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی اس کے لیے زمین پوری طرح

تیار نہیں ہے۔ آپ اس کی ہزار توجیہیں کریں گے، اسباب بھی بیان کریں گے اور ہمت ہوگی تو اپنی کوتاہیوں کا اعتراف بھی کریں گے، لیکن اس واقعہ سے انکار نہیں کرسکتے کہ اسلام کو ہم جس طرح قائم کرنا چاہتے ہیں وہ ابھی قائم نہیں ہوا ہے۔ قرآن مجید میں کامیابی اور ناکامی کے اسباب بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ کوئی قوم کب کامیاب ہوتی ہے؟ اور اس کی ناکامی کے اسباب بھی بیان ہوئے ہیں۔ ابھی میں نے جو چھوٹی سی سورت پڑھی ہے اس میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''اگر قرآن مجید میں صرف یہ ایک سورت نازل ہوتی تو بھی انسان کی فلاح و کامیابی کے لیے کافی ہوتی'' صحابۂ کرام کے بارے آتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو اس سورت کی تلاوت کرلیا کرتے تھے، تاکہ ذہن میں یہ بات تازہ رہے کہ امت کی فلاح و کامیابی کا راستہ کیا ہے؟

زمانہ کی گواہی

اس سورت کی پہلی آت ہے: وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ (قسم ہے زمانے کی) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بات کہی جارہی ہے وہ بے دلیل نہیں ہے، بلکہ زمانہ اس پر شاہد ہے۔ اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ تاریخ کا خلاصہ یہی ہے، جو بیان کیا جارہا ہے۔

خسارے میں کون لوگ ہیں؟

آگے فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ (انسان ہمیشہ خسارہ میں رہا ہے) آدمی کہے گا کہ اس دنیا میں کتنے ہی لوگ ہیں جو دادِ عیش دیتے رہے اور آج بھی عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی طرح اس دنیا میں عظیم سلطنتیں قائم ہوئیں، جنھوں نے بڑے بڑے علاقوں پر حکومتیں کیں۔ پھر کیسے کہا جائے کہ انسان خسارے میں ہے؟ لیکن قرآن اسے کسی بھی فرد اور قوم کی کامیابی نہیں قرار دیتا۔ اسی لیے اس نے کہا کہ خلاصۂ تاریخ یہ ہے کہ انسان خسارے میں ہے۔

آپ اسے ایک اور پہلو سے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ سورۂ والعصر اور اس جیسی چھوٹی چھوٹی سورتیں مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھیں، جو آخری پارہ میں موجود ہیں ۔اس کا ایک پس منظر بھی ہے۔ وہ یہ کہ اہل مکہ جو باقتدار تھے، جو ایمان والوں پر ظلم کررہے تھے، ان میں سے بعض لوگ کہتے تھے کہ بے وقوف ہیں یہ لوگ کہ آج کے دور میں ایمان کی، اخلاق کی، سیرت کی، کردار کی بات کررہے ہیں۔ یہ دنیا تو اس لیے ہے کہ آدمی عیش کی زندگی گزارے۔ یہ نوجوان تو اپنی زندگی تباہ کررہے ہیں۔ایسے میں قرآن نے کہا کہ نادان وہ نہیں ہیں، تم ہو۔ خسارہ میں وہ نہیں، تم ہو۔ وہ لوگ تو کامیاب ہیں۔

سورۂ المومنون کے شروع میں قرآن نے کہا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (ایمان والے کامیاب ہوگئے)

پھر بتایا کہ کامیاب وہ لوگ ہیں جن کا ایک خاص طرح کا کردار ہوتا ہے، آگے اس کردار کی تفصیلات بیان کیں۔

یہاں بھی کہا گیا کہ انسان خسارے میں ہے۔ اس وقت اگرچہ اقتدار اور طاقت تمھارے ہاتھ میں ہے، تم عیش کی زندگی گزار رہے ہو، تمھیں خیال بھی نہیں آتا کہ ایک روز تمھیں مرنا ہے، پھر اللہ کی بارگاہ میں حساب دینا ہے۔لیکن یہ خسارے کی زندگی ہے۔

کامیابی کی بنیادیں

اس کے بعد بتایا کہ کامیاب کون ہیں؟یعنی ناکامی کی تاریخ سے کون لوگ مستثنیٰ ہیں ۔فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے)۔

۱- ایمان

میرے دوستو اور ساتھیو!

یہ بنیاد ہے کامیابی کی۔ ایمان اگر نہیں ہے تو آپ کامیابی کی توقع نہیں

کر سکتے۔ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اللہ کی ذات و صفات، رسول کی رسالت اور آخرت پر اس طرح یقین ہو جیسے وہ بہ چشم خود دیکھ رہا ہے۔ غیب کی حقیقتوں کو آدمی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا، لیکن ان پر اسے اس طرح یقین ہوتا ہے گویا وہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ خدا ہے، وہ صاحب اقتدار ہے، ساری دنیا پر اس کی فرماں روائی ہے، وہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے، میں اس کا بندہ ہوں، مجھے اس کے سامنے سر جھکانا چاہیے، مجھے اس کے ہر حکم کا پابند ہونا چاہیے، میرے لیے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اس کے کسی حکم کی نافرمانی کروں۔ صحیح معنی میں ایمان ہوتو آدمی غلط رویہ نہیں اختیار کرسکتا۔ قرآن نے ایک جگہ کہا کہ ایمان کے دعوے تو بہت سے لوگ کرتے ہیں، لیکن حقیقی ایمان وہ ہے جو بے یقینی کی کیفیت سے پاک ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا
(الحجرات:۱۵)

”ایمان والے تو بس وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر، پھر انھوں نے کوئی شک نہیں کیا۔“

وہ اس تردد میں نہیں ہیں کہ خدا ہے یا نہیں؟ مرنے کے بعد حساب کتاب ہوگا یا نہیں؟ رسول کی تعلیمات برحق ہیں یا نہیں؟ جب تک یہ کیفیت نہ ہو، قرآن کہتا ہے کہ آدمی کامیاب نہیں ہے۔ کامیاب وہی لوگ ہیں جو اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ خدا ہے اور ہم اس کے بندے اور اس کے احکام کے پابند ہیں۔ ہمارا سر اس کے سامنے جھک جانا چاہیے اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

۲-عمل صالح

دوسری بات یہ فرمائی: وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور نیک عمل کرتے رہے)

یہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اور یہ آئینہ ہے اس بات کا کہ ہمارے اندر ایمان ہے یا نہیں؟ آپ کسی مسلمان سے کہیں کہ تیرے اندر ایمان نہیں ہے تو لڑ پڑے گا۔

قرآن کہتا ہے کہ آدمی کے اندر ایمان کی دلیل یہ ہونی چاہیے کہ اس کی زندگی بدل جائے، اس کا سر خدا کے سامنے جھک جائے، وہ اس کا اطاعت گزار ہو، وہ اس کے احکام کا پابند ہو، اس کی سیرت کے اندر تبدیلی آجائے۔

منافق کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ یہ بات تم زبان سے کیوں کہتے ہو۔ تمہارے عمل سے اس کا ثبوت ملنا چاہیے۔ فرمایا:

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ (التوبۃ: ۹۴)

''اللہ اور اس کا رسول تمہارے طرز عمل کو دیکھیں گے۔''

خدا اور رسول دیکھ رہا ہے کہ ایمان لانے کے بعد تم بدل گئے یا نہیں؟

یہ بات منافقین سے کہی گئی، لیکن جن لوگوں کے دلوں میں ایمان جاگزیں تھا وہ اس طرح بدل گئے کہ کسی بھی پہلو سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی ہیں جو پہلے تھے۔ وہ شرک میں مبتلا تھے، توحید کے علم بردار بن گئے۔ وہ خدا کو بھولے ہوئے تھے، خدا کو یاد کرنے لگے۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی گزارتے تھے، ان کی مجلسوں میں شراب عام تھی، ان کے اندر اور بھی خرابیاں تھیں، لیکن اب کوئی ان کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آج ان کی جو زندگی ہے وہی کل بھی تھی۔ قرآن کہتا ہے کہ جہاں ایمان ہوگا وہاں عمل صالح ضرور ہوگا۔ اگر ہماری سیرت اس کے مطابق ہے، ہماری عبادات اس کے مطابق ہیں، ہم اس کے احکام کے پابند ہیں، ہماری معیشت اس کے تابع ہے، ہمارا بازار اس کے مطابق ہے، تو یہ عمل صالح ہے۔ اگر نہیں ہے تو صرف دعویٰ ہے ایمان کا اور دعوئ ایمان سے کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ قرآن نے کہا کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح ضروری ہے۔ آدمی اپنے آپ کو پوری طرح بدل دے، ہر فرد بدل دے، معاشرہ بدل دے۔ میں ایمان کا دعویٰ کروں تو میں بدل جاؤں، آپ ایمان کا دعویٰ کریں تو آپ بدل جائیں۔ دنیا بدلتی ہے یا نہیں، یہ مت فکر کیجیے، آپ خود کو بدل دیجیے۔ آپ اسلام کو پوری طرح اپنائیے۔ اس میں کوئی ایسی رکاوٹ بھی نہیں ہے جو دور نہ کی جاسکے۔ اورآپ اسی کے

لیے اللہ کے یہاں جواب دہ ہیں۔قرآن کہتا ہے کہ اگر کسی امت کے اندر ایمان اور عمل صالح کی کیفیت پیدا ہوجائے تو دنیا کا نقشہ بدل جائے گا۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾
(مریم: ۹۶)

''جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی روش اختیار کریں گے، اللہ بہت جلد ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے گا۔''

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان سے اس کی سیرت اور اخلاق و کردار کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو عرش کے قریب جو فرشتے ہیں ان سے کہتا ہے کہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ اپنے سے قریب کے فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس بندے سے اللہ محبت کرتا ہے، ہم بھی محبت کرتے ہیں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ وہ سب محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ محبت نیچے آتی ہے اور انسانوں کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۲۰۹، صحیح مسلم: ۲۶۳۷)

دوسری بات قرآن نے یہ کہی کہ کسی کے پاس ایمان اور عمل صالح ہو تو اس کی آخرت بھی کامیاب ہوجائے گی۔ آخرت کی کامیابی کے لیے یہی بنیادی شرط ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ (الکہف: ۱۰۷-۱۰۸)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ان کی میزبانی کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی اس جگہ سے نکل کر کہیں جانے کا ان کا جی نہیں چاہے گا۔''

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا سألتم اللّٰہ فاسألوہ الفردوس فانہ اوسط الجنۃ واعلیٰ الجنّۃ۔ (صحیح بخاری: ۲۷۹۰)

''اگر اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو۔ فردوس جنت کا سب سے اونچا مقام ہے۔''

قرآن کہتا ہے کہ ایمان اور عمل صالح والوں کو جنت میں مہمانوں کی طرح رکھا جائے گا۔ دوُر دراز سے کوئی مہمان آتا ہے تو آدمی اپنی استطاعت کی حد تک میزبانی کرتا اور اس کے خوردونوش، آرام و راحت اور معمولات کا خیال رکھتا ہے۔ اب آپ سوچیے کہ اللہ جس کے بارے میں کہے کہ وہ میرا مہمان ہوگا، اس کی قسمت کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس (جنت الفردوس) میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اسے چھوڑنا نہیں چاہیں گے۔ فائیو اسٹار ہوٹل میں بھی آدمی چار دن رہتا ہے تو گھبرا جاتا ہے، لیکن جنت ایسی جگہ ہوگی کہ جو شخص اس میں چلا جائے گا وہ وہاں سے نکلنا نہیں چاہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایمان اور عمل صالح ہو تو لوگوں کے دل بھی کھلیں گے اور جنت بھی ملے گی۔

اب آگے قرآن ایک بات اور کہتا ہے کہ اگر تمھارے اندر ایمان اور عمل صالح ہے اور تمھاری زندگی ایمان کے مطابق بدل گئی ہے تو میں تمھیں اقتدار بھی دوں گا۔ فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ (النور: ۵۵)

''اللہ کا وعدہ ہے کہ جن کے اندر ایمان ہے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے، انھیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا ہے اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، جمادے گا اور ان کی خوف کی حالت کو امن و امان سے بدل دے گا۔''

دیکھیے، اس وقت ہمارے اندر جوش ہے، ہماری زبانوں پر نعرے ہیں اور سلوگن ہیں، مطلوبہ انقلاب نہیں ہے۔ انقلاب پہلے اپنے اندر آتا ہے، اپنی ذات میں

آتا ہے، اپنے کردار میں آتا ہے۔ بعد میں باہر آتا ہے۔ انقلاب کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ دنیا سے یہ کہہ رہے ہیں کہ جیسے میں نے اپنے آپ کو بدل دیا ہے اسی طرح سماج بدل جائے۔ اگر اپنے آپ کو بدلے بغیر آپ کہیں گے کہ سماج بدل جائے تو دنیا سنے گی اور مسکرائے گی۔ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں اور جن کے اندر عمل صالح بھی موجود ہے، اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انھیں ضرور زمین کا خلیفہ بنائے گا۔اس پر تاریخ کا حوالہ دیا کہ ہم یہ کام پہلے بھی کر چکے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔ مزید فرمایا کہ زمین میں ان کا اقتدار قائم ہوجائے گا، خوف کی حالت ختم ہوگی اور امن کی حالت آئے گی۔

میرے دوستو!

یہ باتیں کن لوگوں کے بارے میں کہی گئی ہیں؟ یہ وعدہ کن لوگوں سے کیا گیا ہے؟ ان لوگوں سے، جن کے اندر ایمان ہے اور جن کی زندگیاں شک اور تردد سے پاک ہیں۔ یہ وعدے منافقوں، کم زور ایمان والوں اور بے عمل لوگوں کے لیے نہیں ہیں۔

۳- حق اور صبر کی تلقین

سورۂ العصر کی اسی تیسری آیت میں آگے فرمایا:

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ (اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے)

مطلب یہ کہ وہ پوری سوسائٹی کو حق پر جمانے کی کوشش کریں گے۔ وہ دوسروں کو نصیحت کریں گے کہ یہ حق ہے ، یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے، اس پر عمل ہونا چاہیے۔ وہ دوسروں کو نصیحت کریں گے، سمجھائیں گے، بتائیں گے کہ دیکھو یہ اللہ کا دین ہے۔تم اللہ کو ماننے والے ہو، اس لیے تم کو اس کے دین کی پابندی کرنی چاہیے۔ یہ کامیابی کی ایک شرطِ ہے کہ سوسائٹی کے اندر ایسی فضا ہو کہ لوگ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کریں اور اس کی تلقین کرتے رہیں کہ یہ حق ہے، اسی سے اللہ راضی ہوتا ہے، اسی سے کامیابی ملے گی اور اسی سے تم جنت کے مستحق ہوگے۔ اور غلط کام ہو تو کہا جائے کہ یہ غلط ہے اور اللہ کی ناراضی کا موجب ہے، اس سے بچنا چاہیے، ورنہ دنیا اور آخرت تباہ ہوگی۔

اس سلسلے کی چوتھی بات یہ کہی گئی: وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ﴿۳﴾ (اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے)

حق پر چلنا آسان نہیں ہے۔ یہ کانٹوں بھری راہ اور سنگلاخ زمین پر چلنا ہے۔اس میں آدمی آبلہ پائی اور زخموں کی شکایت نہیں کرسکتا۔ کامیاب وہ معاشرہ ہے جس کے اندر یہ فضا ہوتی ہے کہ اس کے افراد ایک دوسرے کوحق پر چلنے کا حوصلہ دیتے اور ہمت بڑھاتے ہیں۔

زمانہ کی شہادت اور تاریخ کی گواہی ہے کہ کامیابی ایمان ،عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ یہی راہ ہمیں اختیار کرنی ہے اور ان ہی خطوط پر اپنا لائحہ عمل مرتب کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔

☆☆☆

راہِ حق میں کامیابی کے اصول

(استقامت، اعلیٰ اخلاق، تعلق باللہ، اور علمی تیاری)

۹؍جون ۲۰۱۲ء کو بعد نماز مغرب مصطفیٰ مسجد کراچی میں اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کے طلبہ اور نوجوانوں کے سامنے کیا گیا خطاب۔

دوستو اور عزیزو!

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے آپ حضرات سے ملاقات کا یہ موقع عنایت فرمایا۔ اس وقت میں بعض ان پہلوؤں کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، جن کا تعلق دین کی سربلندی اور دنیا اور آخرت کی فلاح سے ہے۔

۱- صبر و استقامت

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت اسلامی کی کامیابی کی راہ صبر و ثبات، استقامت اور اعلیٰ اخلاقی کردار سے کھلتی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ مکہ کی چھوٹی سی بستی میں جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو شدید مخالفت ہونے لگی۔ ان نازک حالات میں چند افراد، خاص طور پر نوجوان ایمان لائے تو پورا ماحول ان کا مخالف ہوگیا۔ باہر کے لوگ تو مخالفت کر ہی رہے

تھے، خاندان اور گھر کے لوگوں نے بھی مخالفت شروع کردی۔ وہ گھروں سے نکال دیے گئے، ان سے تعلقات ختم کردیے گئے اور بات چیت تک بند کردی گئی۔ ان کے ساتھ ان کی جو بیویاں ایمان لائیں، وہ بھی آزمائش سے دوچار ہونے لگیں۔ ان حالات میں ان سے کہا گیا کہ صبر و ثبات کا مظاہرہ کرو۔ آزمائشیں آئیں گی، لیکن تم اپنی جگہ جمے رہو۔ آپ اچھی طرح واقف ہیں کہ حضرت بلالؓ کے ساتھ کیا ہوا؟ حضرت عمارؓ کے ساتھ کیا ہوا؟ ان کے پورے خاندان کے ساتھ کیا ہوا؟ حضرت صہیبؓ کے ساتھ کیا ہوا؟ ان کی اور دوسرے صحابہ کی آزمائشیں ہورہی ہیں، لیکن کہا یہ جارہا ہے:

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ (العنکبوت:۱-۳)

''ا-ل-م۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالاں کہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کرچکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟''

ایسے موقع پر صبر کی تلقین کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ گھبراؤ نہیں۔ یہاں ایک دوسرے رخ سے بات کی جارہی ہے اور کہا جارہا ہے کہ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ایمان کا دعویٰ کریں گے اور یوں ہی چھوڑ دیے جائیں گے، ان کا امتحان نہیں ہوگا اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا؟ ہم نے جس طرح پہلے کے لوگوں کا امتحان لیا ہے، اسی طرح ان کا بھی امتحان لیں گے۔ اس لیے کہ اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟ اور آزمائش ہی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کون صحیح معنیٰ میں ایمان رکھتا ہے اور کون ثابت قدم رہتا ہے؟

پھر چند آیتوں کے بعد فرمایا:

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿١١﴾ (العنکبوت:۱۱)

''اللہ تعالیٰ یہ ضرور دیکھے گا کہ کون ایمان والے ہیں اور کون منافق ہیں؟''

مکہ میں نفاق نہیں تھا، کم زور ایمان والے تھے۔ اس طرح کے منافق نہیں تھے، جیسے مدینہ میں تھے۔ لیکن مکہ میں نازل ہونے والی اس سورت میں پختہ ایمان والوں کے مقابلے میں کم زور ایمان والوں سے خطاب ہے کہ اس راہ میں آزمائشیں لازماً آئیں گی۔

پوری سورت میں یہی بات کہی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ مختلف انبیاء کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور کس طرح ان کی اور ان پر ایمان لانے والوں کی آزمائشیں ہوئیں۔ یہ سورت جہاں ختم ہوتی ہے وہاں اعلان ہوا:

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾ (العنکبوت: ۶۹)

''جو لوگ ہماری خاطر جدوجہد کریں گے ہم انھیں اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔''

یعنی جو لوگ ہمارے لیے، ہمارے دین کے لیے اور ہماری رضا کے لیے کوشش اور جدوجہد کریں گے، ایسی کوشش جس میں بازی لے جانے کا جذبہ ہو تو ہم ضرور ان کو راستے دکھائیں گے۔ آیت میں سُبُل (راستے) کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک راستہ بند ہوگا تو دوسرا راستہ کھلے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ سارے راستے بند ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آزماتا ہے، لیکن جب آزمائش عروج پر پہنچ جاتی ہے تو وہ راستے بھی کھول دیتا ہے۔ آخر میں اطمینان دلایا کہ جو لوگ حسنِ عمل سے آراستہ ہیں، نیکوکار ہیں، سچے ہیں، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔ اور اللہ جن کے ساتھ ہے انھیں کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ حضور اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ (الزمر:۳۶)

''کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔''

یہاں (سورۂ عنکبوت میں) بھی یہی بات کہی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں ثابت قدم رہیں گے، اللہ تعالیٰ انھیں کامیاب کرے گا۔

ثابت قدم لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ راستے کھول دیتا ہے

اب آپ دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح راستے کھولتا ہے؟ اس طرح کھولتا ہے کہ بہ ظاہر اس کا امکان نظر نہیں آتا۔ مکہ میں جب ظلم و زیادتی ہونے لگی تو رسول خدا ﷺ کے چچا ابوطالب آپ کی حمایت میں کھڑے ہوگئے۔ وہ مشرک تھے۔ رسول اللہ ﷺ جو دین پیش فرما رہے تھے اسے انھوں نے قبول نہیں کیا، لیکن انھوں نے آپ کی بھر پور حمایت کا اعلان کردیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے، کوئی اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا، میں اس کی حفاظت کروں گا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چچا کے دل میں باپ کی سی محبت ڈال دی تھی۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی طرح آپ سے محبت کی اور آپ کا ساتھ دیا۔ بڑے بڑے نازک مواقع آئے۔ مشرکین نے کہا: ہم پورے خاندانِ بنی ہاشم کا بائیکاٹ کردیں گے۔ انھوں نے جواب دیا: تم بائیکاٹ کردو، لیکن ہم محمد (ﷺ) کو بے یارومددگار نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ آپ جانتے ہیں کہ تین سال تک یہ لوگ ایک گھاٹی میں، جس کا نام شعب ابی طالب تھا، محصور ہوگئے۔ محمد ﷺ آپ کے ساتھ تھے۔ ابوطالب کا وہ مقام تھا کہ کوئی ان پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا اور ان کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کی حفاظت ہورہی تھی۔ آپ دیکھیے کہ یہ کن حالات سے گزر رہے تھے اور کتنی سخت آزمائش تھی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اتنی سخت آزمائش تھی کہ کوئی چیز کھانے کو نہ ملتی تو بنو ہاشم سوکھا چمڑا پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے ایک رشتہ دار نے غلہ بھجوایا تو ابوجہل لڑنے کے لیے آگیا۔ کہا: کیوں غلہ بھیج رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: میری پھوپھی بھوکی ہے، میں اس کے لیے بھیج رہا ہوں، تم روکنے والے کون ہوتے ہو؟ ابوجہل نے کہا: نہیں، بائیکاٹ ہے۔ انھوں نے ہمت کی، غلہ

بھجوایا۔ دیکھیے! ایمان والوں کی حمایت میں وہ لوگ کھڑے ہورہے تھے جو ایمان نہیں رکھتے تھے۔ ایک وقت آیا جب خود ان ہی لوگوں نے آپس میں بحث کرکے کہ یہ بائیکاٹ سراسر ظلم ہے، اسے ختم کردیا۔ لمبا واقعہ ہے، تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

مزید دیکھیے! دعوت دین کی پیش قدمی کا راستہ اس طرح نکلا کہ حضرت حمزہؓ مسلمان ہوگئے۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابوجہل نے آپ کے ساتھ سخت بدتمیزی کی اور آپ کو نعوذ باللہ برا بھلا کہا۔ حضرت حمزہؓ شکار کو گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو ایک لونڈی نے کہا: حمزہ! آج ابوجہل نے تمھارے بھتیجے محمد (ﷺ) کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، وہ اگر تم دیکھ لیتے تو برداشت نہ کرپاتے۔ انھوں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا ہے؟ اس نے تفصیل بتائی تو وہ فوراً ابوجہل کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے ہاتھ میں کمان تھی۔ اس سے اس طرح ضرب لگائی کہ وہ زخمی ہوگیا اور غصے میں کہا: میں بھی مسلمان ہوگیا۔ اب بتاؤ، کیا کرتے ہو؟ اتنے میں دوسرے لوگ بیچ میں آگئے۔ ابوجہل نے کہا: حمزہ کا غصہ بجا ہے، میں نے اس کے بھتیجے کو برا بھلا کہا ہے۔ بات دب گئی۔ حضرت حمزہؓ نبی ﷺ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور بتایا کہ انھوں نے ابوجہل سے انتقام لے لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: چچا! مجھے اس سے خوشی نہیں ہوئی۔ مجھے تو اس وقت خوشی ہوگی، جب آپ اللہ کا دین قبول کرلیں گے۔ انھوں نے کہا: میں نے قبول کرلیا۔ دوسرے دن جب غصہ کم ہوا تو کہا: کل میں نے غصہ میں کہہ دیا تھا کہ میں نے تمھارا دین قبول کرلیا ہے، لیکن مجھ جیسے آدمی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ غصہ میں کوئی بڑا فیصلہ کرلوں۔ اب ذرا تفصیل سے سمجھاؤ کہ تمھارا دین کیا ہے؟ تب میں فیصلہ کروں گا کہ اسے قبول کروں یا نہ کروں؟ آپؐ نے تفصیل سے ان کے سامنے اللہ کا دین پیش کیا۔ ان پر اس کی حقانیت واضح ہوگئی تو انھوں نے کہا: اب میں صحیح معنیٰ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کرلیا ہے تو انھوں نے سوچا کہ مسلمانوں کو ایک مضبوط

آدمی مل گیا ہے۔ اس کے چند دنوں کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام لے آئے۔ اب مخالفین نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ انھیں دوطاقت ور آدمی مل گئے ہیں۔اس سے مسلمانوں کی ہمت بھی بڑھی۔ اب اللہ کے دین کا خوب اظہار و اعلان ہونے لگا اور مخالفت بھی جاری رہی۔ ان حالات میں حضورؐ نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ حبشہ چلے جائیں۔ وہ حبشہ چلے گئے۔ پھر انھوں نے مدینہ ہجرت کی۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ اس وعدہ کی تکمیل ہے کہ جو لوگ ہمارے راستے پر چلیں گے، ہم ان کے لیے راستے کھول دیں گے۔ اور راستے کھولے گئے ۔ آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کفار ان کی حمایت میں کھڑے ہوجائیں گے۔ مخالفین ہی میں سے ان کی حمایت و نصرت کرنے والے پیدا ہوں گے۔

۲- اعلیٰ اخلاق و کردار

قرآن مجید نے اہل ایمان کی پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ کردار کو بہت تفصیل سے اور نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام کس طرح کے افراد پیدا کرنا اور کس طرح کا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے۔ اس سے اہل ایمان اور دوسروں کے اخلاق اور سیرت کا فرق بھی اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے۔

اسلام کے ماننے والوں کی جنگوں اور لڑائیوں کے تذکرے تو بہت ہوتے ہیں، لیکن ان کی سیرت کا یہ پہلو سامنے نہیں لایا جاتا کہ وہ مخالفین کے غلط رویہ پر صبر کرتے ہیں، دشمنوں کو معاف کرتے ہیں، غصہ اور جھنجھلاہٹ میں فیصلہ نہیں کرتے، اخلاق و کردار کے لحاظ سے بہت اونچے ہوتے ہیں، پاک باز اور باعفت ہوتے ہیں، معاملات کے کھرے اور دیانت و امانت کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ ہے ان کی اصل تصویر۔ مکہ کے ماحول میں جب یہ کہا گیا کہ اہل ایمان عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں، ان کے اندر تواضع اور خاک ساری ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہ تھا کہ وہ باطل کے سامنے سر جھکانے

والے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے اندر نرمی اور محبت ہوتی ہے اور وہ تکبر کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ مخالف ماحول میں اخلاق کی اس بلندی ہی سے کامیابی کی راہیں کھلتی ہیں۔

اگر آدمی کا اخلاق بلند ہو تو اسے زیر کرنا آسان نہیں ہے۔ اگر اخلاقی لحاظ سے وہ کم زور ہو تو وہ خود بھی اندر سے کم زور ہوتا ہے اور دوسرا بھی اسے آسانی سے زیر کر لیتا ہے۔ فرض کیجیے، کسی نوجوان سے کوئی غلطی ہو جائے اور وہ سامنے والے کو معلوم ہو تو وہ نوجوان اس کے سامنے زور سے نہیں بول سکتا۔ ہر وقت اسے یہ کھٹکا لگا رہے گا کہ کہیں میرا راز کھل نہ جائے۔ لیکن حیرت ہے کہ قرآن نے نوجوانوں کی ایسی تربیت کی کہ کوئی شخص ان پر انگلی نہیں اٹھا سکا۔ آپ نے تاریخ پڑھی ہوگی، سیرت بھی پڑھی ہوگی۔ کیا آپ نے کہیں کوئی واقعہ ایسا پڑھا ہے کہ آپؐ سے کہا گیا ہو کہ یہ جو نوجوان آپ کے ساتھ ہیں ان کی یہ کم زوری سننے یا دیکھنے میں آئی ہے۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ نہیں پڑھا ہوگا۔ اتنے اعلیٰ اخلاق والے سے لڑنا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن اگر آدمی اخلاقی لحاظ سے کم زور ہو، اس کے اندر خیانت ہو، اس کا رویہ اس کے ماں باپ یا بیوی بچوں کے ساتھ اچھا نہ ہو تو وہ دوسروں سے بات کرتے ہوئے دبتا ہے۔ قرآن میں جہاں نبی ﷺ کا تذکرہ کیا گیا وہاں یہ بھی بتایا گیا کہ آپ اعلیٰ اخلاق اور سیرت کے حامل ہیں:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم: ۴)

''آپ اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز ہیں۔''

آپ کے دشمن یہاں تک کہتے تھے کہ آپ (نعوذ باللہ) پاگل ہوگئے ہیں۔ اس طرح کی اور بھی بے بنیاد باتیں کہا کرتے تھے، لیکن آپ کے اخلاق پر حرف گیری کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ وہ آپ کو صادق و امین کہنے پر مجبور تھے۔ قرآن نے کہا: آپ اونچے اخلاق کے مالک ہیں، ان لوگوں کو نظر انداز کیجیے، آپ کی کوششوں اور ان کے نازیبا اور غلط رویہ کا نتیجہ جلد ہی سامنے آجائے گا۔

۳۔تعلق باللہ

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کے نیک بندوں کا تعلق بہت مضبوط اور قوی ہوتا ہے۔ ان کی نمازوں کا، اللہ سے ان کے تعلق اور خشوع وخضوع کا اس نے بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے۔ سورۂ مزمل میں ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ (المزمل:۲۰)

"تمھارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو اور تمھارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔"

اللہ کے جو نیک بندے جنت میں جائیں گے ان کا ایک وصف سورۂ ذاریات میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ شب زندہ دار تھے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ (الذاریات: ۱۵-۱۹)

"متقی لوگ اُس روز باغوں اور چشموں میں ہوں گے، جو کچھ ان کا رب انھیں دے گا اسے خوشی خوشی لے رہے ہوں گے، وہ اس دن کے آنے سے پہلے نیکو کار تھے، راتوں کو کم ہی سوتے تھے، پھر وہی رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لیے۔"

اہل ایمان کے یہ اوصاف قرآن میں ایک جگہ نہیں، بہت سی جگہوں پر بیان ہوئے ہیں۔ تب وہ افراد تیار ہوئے جن کے حوالے دنیا کی قیادت کی گئی اور جن کے

ذریعے اسلامی نظام قائم ہوا۔ جو نظام اللہ تعالیٰ قائم کرنا چاہتا ہے، جسے آپ اسلامی نظام کہتے ہیں، اسے قائم کرنے کے لیے اللہ سے تعلق کا مضبوط ہونا ضروری ہے۔

میرے دوستو اور عزیزو!

اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد اور اس کے لیے قربانی کی جوانوں اور نوجوانوں سے زیادہ توقع کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ بوڑھے لوگوں کے حوصلے بالعموم پست ہوجاتے ہیں، جرأت کم ہوجاتی ہے، مصلحتیں رکاوٹ بننے لگتی ہیں۔ مصلحتوں کو توڑنا اور آگے بڑھنا جوانوں کا کام ہے۔ ابھی آپ بوڑھے نہیں ہوئے ہیں، اس لیے آپ کو نہیں معلوم کہ بوڑھوں کے پیروں میں کتنی بیڑیاں پڑی ہوتی ہیں۔ لیکن جوان ان بیڑیوں کو توڑنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ اس راہ میں آزمائشیں بھی آئیں گی، امتحان بھی ہوگا، لیکن اگر اس میں آپ کا کردار بلند ہوگا اور اللہ سے آپ کا تعلق قوی تر ہوگا تو آپ اس کی نعمتوں اور انعامات سے سرفراز ہوں گے اور وہ چیز آپ کو حاصل ہوگی جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

۴۔ علمی تیاری

میرے عزیزو!

سب سے زیادہ میں جس بات کی آپ سے توقع کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ علم کے جس میدان میں بھی ہوں، ممتاز ہوں، ٹاپر ہوں۔ مجھے تھرڈ کلاس افراد نہیں چاہییں۔ مارکیٹ میں بہت افراد ہیں۔ انھیں نوکری مل رہی ہے۔ وہ بھوکے نہیں مر رہے ہیں۔ وہ کوئی نہ کوئی ذریعۂ معاش رکھتے ہیں، لیکن مجھے ایسے افراد چاہییں کہ وہ جس فیلڈ میں بھی ہوں اس میں ٹاپ کریں۔ دنیا کہے کہ اس میدان میں وہ سند ہیں، اتھارٹی ہیں۔ کسی کو اس شعبے سے متعلق کوئی چیز معلوم کرنی ہو تو ان سے معلوم کرے۔ اگر آپ اپنی فیلڈ میں کامیاب نہیں ہوئے تو آپ جو کام بھی کریں گے وہ آپ کی صلاحیتوں کا

صحیح استعمال نہ ہوگا اور ہمارے لیے شاید بہت زیادہ کار آمد بھی نہ ہوگا۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ میدان خالی ہے۔

اتنا زمانہ گزر جانے کے باوجود ہم یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ فلاں میدان میں ہمارا آدمی موجود ہے، جو اتھارٹی ہے۔ میں اپنے بارے میں یہ کہوں گا کہ مجھ سے دین کے مسائل معلوم کرلو۔ دنیا بھی مجھ سے یہی توقع کرے گی کہ یہ مولوی عالم ہے، اسے احکام دین سے واقفیت ہونی چاہیے۔ لیکن آپ سے ہم چاہتے ہیں کہ آپ سیاسیات کے ماہر ہوں، معاشیات کے ماہر ہوں، فلسفہ کے ماہر ہوں، تعلیم کے ماہر ہوں، سائنس کے مختلف شعبوں کے ماہر ہوں، فزکس کے ماہر ہوں، کیمسٹری کے ماہر ہوں، میڈیکل سائنسز کے ماہر ہوں۔ اب دنیا میں ایسا نہیں ہے کہ آدمی ہر فن کا ماہر ہو، لیکن کسی نہ کسی برانچ کا وہ ماہر ہوتا ہے، تبھی دنیا اس پر اعتبار کرتی ہے۔ میں نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جو لڑکا بہتر ہوتا ہے، کلاس کے بچے بھی اس سے محبت کرتے اور اس کا احترام کرتے ہیں۔ دنیا کیوں نہ کرے گی؟

میرے عزیزو!

میری خاص گزارش یہی ہے کہ آپ جس میدان میں ہوں اس میں آپ کا سکہ قائم ہونا چاہیے اور اس میدان میں آپ کو آگے بڑھنا چاہیے۔ دنیا بہت وسیع ہے۔ ہمارے سامنے میدانِ کار بھی بہت ہیں۔ یہ سوچ کر افسوس ہو رہا ہے کہ تحریک کی عمر ستر برس سے زیادہ ہی ہوگئی، لیکن ہمارے درمیان ایسے افراد نہیں پیدا ہو رہے ہیں۔ آپ ایک آدھ مثال دیں گے۔ ان مثالوں سے میں بھی واقف ہوں۔ ان کی خدمات قابل تعریف ہیں، لیکن جس بڑے پیمانے پر ہمارے یہاں اس طرح کے افراد پیدا ہونے چاہیے تھے، نہیں ہو رہے ہیں۔ اس کی تلافی آپ کو کرنی ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ آپ اصلاً اسلام کے علم بردار ہیں۔ فرض کیجیے کہ آپ فلسفہ کے ماہر ہوجائیں، نفسیات کے ماہر ہوجائیں، یا کسی دوسری فیلڈ میں مہارت حاصل

کرلیں، لیکن اسلام سے واقف نہ ہوں تو آپ کی معلومات اور آپ کا علم ہمارے لیے بہت زیادہ مفید نہیں ہوگا۔ اس لیے آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اسلام کا بھی اسی طرح علم حاصل کریں۔ اس کے لیے آپ کو دوگنی محنت کرنی پڑے گی، تب ہماری ضرورتیں پوری ہوں گی اور اس بڑی تبدیلی کی ہم توقع کرسکیں گے جو مطلوب ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جو باتیں عرض کی گئی ہیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

زندگی میں ہمہ گیر تبدیلی مطلوب ہے

۷؍جون ۲۰۱۲ء کو بعد نماز عصر جماعت اسلامی لاہور کی جانب سے استقبالیہ کے موقع پر کیا گیا خطاب۔

میرے دوستو اور ساتھیو!

۲۰۰۵ء میں مجھے پہلی بار پاکستان آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس وقت بھی لاہور کی جماعت اسلامی اور لاہور کے باشندگان نے جس محبت اور خلوص کا اظہار کیا تھا اس کی یاد ابھی تک میرے لوحِ ذہن میں تازہ ہے۔ الحمد للہ دوبارہ اسی خلوص اور اسی محبت سے شادکام ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ اس پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ یہ سب اس کی عنایت، اس کا کرم اور اس کے دین سے تعلق کا نتیجہ ہے۔ ہمارے درمیان خونی رشتہ شاید نہ ہو، لیکن اس سے مضبوط رشتہ دین کا موجود ہے اور وہی اصل رشتہ ہے۔

میرے دوستو!

عام طور سے اس موقع پر دوست احباب سیاسی باتیں سننے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اس پر بھی گفتگو ہوسکتی ہے۔ ہم میں سے کون ہے جو سیاست سے بے خبر اور حالات سے ناواقف ہو، لیکن میں اس وقت بعض دوسرے پہلوؤں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔

عالمی اسلامی تحریک کامیابی کی راہ پر گام زن ہے

پہلی بات یہ کہ اس وقت دنیا میں اسلام کے نام سے، احیائے اسلام کے نام سے، اقامت دین کے نام سے، اسلام کو غالب کرنے کے نام سے، اعلائے کلمۃ اللہ کے نام سے جو تحریکیں چل رہی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ایک خاص رخ مل رہا ہے۔ گو ابھی پوری کامیابی انہیں حاصل نہیں ہے، لیکن بہ ظاہر وہ کامیابی ہی کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ ہم سب کی خواہش اور کوشش ہونی چاہیے کہ جو جدوجہد اس راہ میں ہورہی ہے وہ کامیاب ہو اور ہماری تائید اسے حاصل ہو، تاکہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچیں تو یہ کہہ سکیں کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ تھے جو تیرے دین کا نام لے رہے تھے اور تیرے دین کی سربلندی کے لیے تگ و دو کر رہے تھے۔

میرے دوستو!

ہم سب اسی وسیع تر تحریک کا ایک حصہ ہیں۔ تحریکات اسلامی کے درمیان حالات کے لحاظ سے طریقۂ کار اور حکمت عملی کا فرق ضرور موجود ہے، لیکن وہ سب اسلام کے فروغ اور اس کی سربلندی کے لیے کام کررہی ہیں۔ الحمد للہ یہ تحریک ایک لحاظ سے اب عالمی تحریک بن گئی ہے۔ یہ آواز اب ان ممالک میں بھی گونج رہی ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وہاں بھی سنائی دے رہی ہے جہاں وہ اکثریت میں ہیں۔ بہر حال اللہ نے چاہا تو ایک وقت آئے گا جب ہماری اور آپ کی آنکھیں دیکھ سکیں گی کہ اس دنیا کے اندر ایک نیا انقلاب آیا ہے۔ انقلاب ہر طرح کے آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔ یہ جو انقلاب آئے گا ایک نیا انقلاب ہوگا۔ اس سے زندگی کو ایک نئی سمت ملے گی، ایک نیا رخ ملے گا اور زندگی کا ایک نیا انداز انسانوں کے سامنے آئے گا، جو بنیادی طور پر موجودہ نظام فکر و عمل سے مختلف ہوگا۔

مغرب اسلامی تحریکوں کا حریف ہے

ہم سب جانتے ہیں کہ اس وقت مغرب ہمارا حریف ہے۔ اگر اسلامی تحریکوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ ہے تو وہ مغربی ذہن وفکر کی ہے۔ مغرب کسی قیمت پر ان تحریکوں کو آگے بڑھنے نہیں دینا چاہتا۔ وہ نہیں چاہتا کہ اسلام کے نام لیوا کامیاب ہوں اور اپنی مرضی سے دنیا کا نظام چلائیں۔ چنانچہ جہاں کہیں وہ دیکھتا ہے کہ اسلامی تحریکیں اپنا قدم جما رہی ہیں ان کو کم زور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے برخلاف ہماری جدوجہد کا رخ یہ ہوتا ہے کہ مغرب اپنی روش بدلے، ہماری سیاست پر اس کے جواثرات ہیں وہ ختم ہوں، ہمارے ملک کو جس طرح سیاسی اور معاشی طور پر وہ کم زور کرنا چاہتا ہے اور اسلامی تحریکات کو جس طرح وہ کچلنا چاہتا ہے اس میں وہ ناکام ہو۔ بلا شبہ یہ کوشش مبارک کوشش ہے اور ہر وہ شخص جو اس راہ میں آگے بڑھ رہا ہے، چاہے گا کہ راستے کی یہ رکاوٹ دور ہو۔ اگر کوئی ملک اپنے لیے کوئی راستہ تجویز کرتا ہے تو کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اسے اس راستے سے ہٹائے۔ جس طرح ہر شخص آزاد ہے کہ وہ اپنے لیے زندگی کا جو راستہ چاہے اختیار کرے، اسی طرح ہر ملک کو بھی یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ اپنے لیے جو نظام پسند کرے اسے اپنائے۔ آج کی جمہوری دنیا میں اس بات کا کوئی جواز نہیں ہے کہ آپ کسی ملک کو اپنے لیے اپنی پسند کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت نہ دیں۔ مسلم ممالک میں یا دنیا کے دیگر ممالک میں اگر مغرب وہاں کی حکومتوں پر اپنا نظام حیات مسلط کرنا چاہتا ہے یا ان کے نظام کو زیر و زبر کرنا چاہتا ہے تو اس کا مقابلہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں جو کوششیں ہورہی ہیں انھیں تسلیم کیا جانا چاہیے اور ان کی تائید بھی کی جانی چاہیے۔

ہماری زندگی کا تضاد

میں اس موقع پر جس پہلو کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ایک طرف تو آپ مغربی تہذیب کو، مغربی فکر کو اور مغربی ذہن کو اپنا حریف سمجھتے ہیں اور اس

کی سیاسی مداخلت کو روکنا بھی چاہتے ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ دوسری طرف ہم اور آپ اپنی زندگی میں بہ خوشی مغرب کے طرز حیات کو اپنائے ہوئے ہیں۔ آپ اس کے لیے مجبور نہیں ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا کہ جو کچھ استادِ ازل نے کہہ دیا ہے اسے دہرانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ آپ ایک طرف مغرب کا سیاسی سطح پر مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور اپنے ملک سے اس کے اثرات کو دور کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف ہماری زندگی پر اس کے گہرے اثرات ہیں۔ ہماری تہذیب، ہمارا کلچر، ہمارا لباس، ہماری وضع قطع، ہمارے اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ، ہمارے معمولات سب وہ ہیں جو مغرب نے دیے ہیں۔ کیا ہم پابند تھے کہ اس کی عریاں تہذیب کو اختیار کریں؟ کیا ہم مجبور تھے کہ اس کی مخلوط تہذیب کو پروان چڑھائیں؟ کیا ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ اللہ کو بھول کر دنیا کے پیچھے پڑ جائیں؟ ان میں سے کسی چیز کے لیے ہم مجبور نہیں تھے۔ لیکن ہمیں بتایا گیا کہ یہ دنیا اصل ہے اور ہم نے بھی اس کو اصل سمجھ لیا۔ ہمیں بتایا گیا کہ انسان کی آزادی کا تصور اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک عورت اور مرد ایک ساتھ ایک اسٹیج پر نہ بیٹھیں، ایک ساتھ کام نہ کریں، ایک ساتھ نہ رہیں تو ہم نے بھی اس کو صحیح سمجھ لیا۔ ہم سے کہا گیا کہ تعلیم کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں تو ہم نے بھی کہا کہ تعلیم اسی انداز میں ہونی چاہیے۔ آپ ایک طرف سیاسی سطح پر مغرب کی مخالفت کررہے ہیں، دوسری طرف اخلاق، تعلیم وتعلّم اور تہذیب و معاشرت میں اسے گلے لگارہے ہیں۔ کیا یہ تضاد نہیں ہے؟ اس تضاد کے ساتھ کیا دنیا اس دعویٰ کو تسلیم کرے گی کہ ہم مغرب کے نظام فکر وعمل کی جگہ اسلام کے نظام فکر وعمل کی کارفرمائی دیکھنا چاہتے ہیں؟

مغرب کی مکمل تابع داری

میرے دوستو!

آپ پابند نہیں تھے، لیکن آپ نے وہی راستہ اختیار کیا جو مغرب نے چاہا۔ ہم چاہیں یا نہ چاہیں، ہماری پوری تہذیب اسی کی طرف جارہی ہے۔ اگر مغرب نے ہمیں اللہ سے دور کرنا چاہا تو وہ کامیاب ہوگیا۔ ہماری مسجدیں اور ہمارے گھر اس کی گواہی دے رہے ہیں کہ وہ کامیاب ہے۔ اس نے ہمیں اخلاقیات سے محروم کرنا چاہا تو ہمارا طرز زندگی گواہی دے رہا ہے کہ واقعی ہم نے اپنی اخلاقیات بھلا دی ہیں۔ ہماری معیشت، ہماری معاشرت سب اس کے تابع ہیں، جب کہ آپ کے یہاں صحیح اور غلط کا پیمانہ مقرر ہے۔ قرآن کریم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا گیا ہے:

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ (الاعراف: ۱۵۷)

"وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے، ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور وہ بوجھ اور بیڑیاں ان سے اتار دیتا ہے جو ان کے اوپر تھیں"۔

قرآن کہتا ہے کہ پیغمبر کی آمد کا مقصد یہ ہے کہ جو پاک چیزیں ہیں وہ حلال ہوجائیں، کوئی پاک چیز حرام نہ رہے، کوئی طیب چیز خبیث نہ رہے اور جو خبیث چیزیں ہیں وہ پاک نہ ہو۔ اگر کسی سماج میں شراب پی جاتی ہے اور اس کی خوشی اور طرب کی کوئی محفل جام و مینا سے خالی نہیں ہوتی تو اس کا کوئی جواز نہیں ہے کہ ہم بھی اسے اپنالیں۔ انسان نے تہذیب کے نام پر، کلچر کے نام پر، رسم و رواج کے نام پر، مذہب کے نام پر بہت سے بوجھ لادلیے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ انسان نے اس طرح کے جو بوجھ اٹھا رکھے ہیں اور جن بہت سی چیزوں کو وہ ڈھوتا پھرتا ہے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ کے پیغمبر اس لیے آئے ہیں کہ وہ بوجھ ہٹا دیں، تا کہ انسان آزاد ہو جائے۔ انسان آزاد اس وقت ہوگا جب اس کے کندھے پر مذہب کے نام پر، تہذیب کے نام پر، کلچر کے نام پر جو بوجھ رکھ دیے گئے ہیں انھیں ہٹا دیا جائے اور اس کے پاؤں میں جو بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں ان کو کاٹ دیا جائے۔ اللہ کے رسول (ﷺ) اسی لیے آئے ہیں۔ اس کے

بعد قرآن نے کہا کہ کامیابی اسی میں ہے کہ اس رسول (ﷺ) کی عزت کی جائے، اس کا احترام ہو، اس کے احکام پر عمل کیا جائے ، اسی پر وہ کامیابی کی بشارت دیتا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۷) کامیابی یوں ہی نہیں ملتی، بلکہ اس وقت ملتی ہے جب آپ دیکھیں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے اور اللہ کے رسولؐ نے کیا راستہ دکھایا ہے۔

اسلام میں سب مل کر داخل ہو جاؤ

قرآن نے کہا:

ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرۃ:۲۰۸)

''تم سب اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ۔''

اس آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں: ایک یہ کہ تم پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ اور دوسری یہ کہ سب کے سب اسلام میں آجاؤ۔ اسلام پر پوری طرح عمل کرنے والے ہر زمانے میں رہے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ اور سب مل کر داخل ہو جاؤ۔ یہ سب مل کر داخل ہونے کا کام نہیں ہو رہا ہے۔ اس آیت کا یہ مطلب میں اپنی طرف سے نہیں بیان کر رہا ہوں ، بلکہ معتبر علماء نے یہی بیان کیا ہے۔ ہماری کم زوری یہ ہے کہ بس کہیں کہیں ایسے افراد نظر آتے ہیں جو اسلام میں پوری طرح آگئے ہوں۔ یہ کیفیت کہ سب آجائیں، ابھی دیکھنے میں نہیں آرہی ہے۔ جب تک یہ کیفیت نہ ہو کسی بڑی تبدیلی کی توقع آپ نہیں کر سکتے۔ دنیا اس وقت تبدیل ہو گی جب کہ آپ انفرادی اور اجتماعی طور پر تبدیل ہو جائیں۔ اسلام میں پوری طرح داخل ہونے کی ہدایت کے بعد فرمایا:

وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''اور شیطان کی پیروی نہ کرو وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں پوری طرح نہ آنا شیطان کا راستہ ہے، اس پر نہ

چلو۔ شیطان کا راستہ یہ ہے کہ لوگ پوری طرح اسلام میں نہ آئیں اور سب مل کر نہ آئیں۔

زندگی میں اسلام کے مطابق تبدیلی آنی چاہیے

میرے دوستو اور ساتھیو!

ہمارے اور آپ کے جائزہ لینے کا کام یہ ہے کہ کیا واقعی ہماری زندگی میں تبدیلی آگئی ہے۔ دیکھئے، کچھ چیزیں ایسی ہوسکتی ہیں جن کے بارے میں آپ کہیں، وہ رکاوٹ ہیں، ان کی وجہ سے آپ وہ کچھ نہیں کر پارہے ہیں جو کرنا چاہیے۔ اسے تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے تو بہت سی وہ چیزیں ہیں جن پر عمل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، وہ کیوں نہیں بدلتیں؟ دنیا میں کسی انسان کے لیے دوسرے انسان کو بدلنا آسان نہیں ہے۔ حضرت نوحؑ بھی عرض کریں گے: اے اللہ! میں اپنے بیٹے کو دین کی دعوت دیتا رہا، مگر وہ ایمان نہیں لایا۔ لیکن کسی انسان کا یہ عذر اللہ کے یہاں نہیں سنا جائے گا کہ وہ خود کو بدلنا چاہتا تھا، نہیں بدل سکا۔ اس بات کے لیے کوئی جواز نہیں کہ ع

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

تبدیلی اسی وقت آئے گی جب آپ بدل جائیں گے، آپ کا معاشرہ بدل جائے گا اور دنیا آپ کو دیکھ کر کہنے لگے گی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایک نیا نظام لے کر دنیا کے سامنے آئے ہیں۔ قرآن نے اللہ کے نیک بندوں کا یہ کردار بیان کیا ہے کہ وہ اسے کبھی نہیں بھولتے، اس کی یاد میں ہمیشہ غرق رہتے ہیں، ان کی نمازوں میں خشوع ہوتا ہے، وہ اخلاق کے پابند ہوتے ہیں، وہ اپنے اوقات ضائع نہیں کرتے، وہ بیہودہ کاموں میں دلچسپی نہیں لیتے، وہ باعفت اور پاکباز ہوتے ہیں، وہ امانت دار اور دیانت دار ہوتے ہیں، وہ دوسروں کے حقوق کو پہچانتے اور انھیں ادا کرتے ہیں۔ قرآن نے جس زمانے میں یہ باتیں کہیں اس وقت ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو کہے کہ کہاں ہیں ایسے لوگ؟

ایک بھی آدمی مکی زندگی میں ایسا نہیں تھا جو کہے کہ جو نقشہ قرآن دکھا رہا ہے کہ اسلام کے ذریعہ ایسے انسان تیار ہوتے ہیں وہ کہاں ہیں؟ اس لیے کہ یہ تصویر حضرت ابو بکرؓ کی بھی تھی اور حضرت بلالؓ کی بھی۔ یہ کردار حضرت خدیجہؓ میں بھی نظر آرہا تھا اور حضرت سمیہؓ میں بھی۔ اوپر سے نیچے تک معاشرے کو اس طرح بدل دیا گیا کہ جو دعویٰ تھا کہ اسلام کے ذریعے ایک نئی دنیا آباد ہوگی اس کا نمونہ ہر شخص کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اسی کردار کے حامل انسانوں کے ذریعہ اسلام کا نظام قائم ہوا۔

میرے دوستو!

یہی کوشش ہے جو اصلاً ہمیں کرنی ہے۔ آج ہمارے سماج کو دیکھ کر کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ اسلامی سماج ہے اور ہم اسلام کے احکام کے پابند ہیں۔ اب ہمیں اور آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اپنی زندگی کے اندر تبدیلی لائیں گے اور وہ تبدیلی ایسی ہوگی جو اللہ اور اسؐ کے رسول کو مطلوب اور پسندیدہ ہے۔

☆☆☆

اسلامی نقطۂ نظر کو دلائل کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے

۱۱رجون ۲۰۱۲ء کو دوپہر ایک بجے بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد میں استقبالیہ کے موقع پر خطاب

اس سے پہلے مجھے ۲۰۰۵ء میں یہاں آنے کا موقع ملا تھا۔ یہاں کے شعبۂ فقہ و قانون میں 'اجتماعی اجتہاد' کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سمینار ہوا تھا، اس میں شرکت کی تھی۔ اس وقت محترم ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم موجود تھے۔ ان سے پہلے سے تعلقات تھے۔ انھوں نے یونی ورسٹی کے بارے میں بہت سی معلومات فراہم کی تھیں۔اسی کے ساتھ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری سے بھی قربت رہی ہے، ان کے ڈپارٹمنٹ میں بھی بہت سے دوستوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ ابھی ابھی یہ معلوم کرکے بہت افسوس ہوا کہ وہ سخت علیل ہیں۔ڈاکٹر محمد خالد مسعود سے بھی پہلے سے یک گونہ واقفیت ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کا امتیاز

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کو برصغیر کی دوسری یونی ورسٹیوں سے اسلامیات

کے رخ سے ممتاز مقام حاصل ہے۔ ہندوستان میں علی گرھ مسلم یونی ورسٹی بہت بڑی یونی ورسٹی ہے۔ اس میں جتنے شعبے ہیں، اتنے شاید کسی دوسری یونی ورسٹی میں نہ ہوں۔ لیکن جہاں تک اسلامیات کا تعلق ہے، اس کے بہت کم شعبے وہاں ہیں۔ اسلامی یونی ورسٹی کے پیش نظر جو وسیع نقشہ کار ہے، علی گڑھ کے سامنے شاید نہیں ہے۔ بہ ہر حال یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ علم و تحقیق کے اس دور میں یہ یونی ورسٹی غیر معمولی خدمات انجام دے رہی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر کو دلائل کے ساتھ پیش کیا جائے

ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر اعلیٰ درجے کی تحقیق ہو۔ تحقیق کا ایک معیار ڈیولپ ہوگیا ہے، اس معیار کے ساتھ تحقیق ہو۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ریسرچ تو ہوتی ہے اور ڈگری بھی مل جاتی ہے، لیکن وہ ریسرچ اس قابل نہیں ہوتی کہ شائع ہو اور اس کا کوئی اعتبار کیا جائے۔ اس میں طلبہ کی غفلت کا بھی دخل ہوسکتا ہے، لیکن جو نگراں ہیں ان سے بھی کوتاہی ہوتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ نئی تحقیقات سامنے آئیں اور اسلام کو جن پہلوؤں سے چیلنج ہے ان پر اسلام کی صحیح تصویر پیش کی جاسکے۔ اسلام کے بارے میں جتنی باتیں پھیلائی جارہی ہیں، وہ اس کی تعلیمات سے بالکل میل نہیں کھاتیں۔ لیکن یہ بات محض ایک دعویٰ کے طور پر کہی جائے تو اسے دنیا نہیں سنے گی۔ آپ کا دعویٰ اس وقت مفید ہوگا جب آپ دلائل کے ذریعے اسے ثابت کریں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم، جن کا ذکر ابھی آیا ہے، ان کے نام سے آپ کے یہاں لائبریری قائم ہے۔ انھوں نے جس طرح اپنی زندگی کو ریسرچ کے لیے وقف کیا تھا وہ ہم سب کے لیے مثال ہے۔

جماعت اسلامی ہند کی علمی خدمات

جماعت اسلامی ہند کے ذہن میں کسی یونی ورسٹی کا تو فی الحال کوئی خاکہ نہیں

ہے، نہ اس کے پاس اس کے وسائل ہیں، البتہ وہ اس کی کوشش کرتی رہی ہے کہ اس کے کچھ افراد علمی کاموں میں لگے رہیں۔ الحمدللہ انھوں نے جو علمی خدمات انجام دی ہیں ان کا اعتبار علمی دنیا میں کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا صدرالدین اصلاحیؒ، مولانا سید احمد عروج قادریؒ، مولانا سید حامد علیؒ، مولانا محمد فاروق خاں جیسے اصحاب کا نام لیا جاسکتا ہے۔اور بھی دوست احباب ہیں جو علمی خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔ انھی میں ہمارے عزیز ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی بھی ہیں۔یہاں جماعت کے ان افراد کا ذکر نہیں ہے جو یونی ورسٹیوں اور علمی اداروں سے وابستہ رہے ہیں اور انھوں نے اپنے طور پر اسلامی تحقیق کو آگے بڑھایا ہے۔ان کی ذہن سازی جماعت نے کی ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ یہ کام صحیح معنی میں کسی تنظیم کے بس کا نہیں ہے۔ اس کے لیے جس طرح کے وسائل کی اور جن مواقع کی ضرورت ہے، وہ کوئی یونی ورسٹی ہی فراہم کرسکتی ہے۔

مذاکرہ کی چھوٹی چھوٹی مجلسیں منعقد ہوں

کئی موضوعات ایسے ہیں جن کے بارے میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہندوستان، پاکستان میں یہ ماحول کم ہے کہ مختلف Burning Issues پر اسلام کا نقطۂ نظر یا کوئی بھی نقطۂ نظر جاننے کے لیے چھوٹی چھوٹی نشستیں منعقد ہوں۔ دو چار اصحابِ علم بیٹھیں، غور کریں اور کسی نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ہمارے یہاں جو سمینار ہوتے ہیں ان کی افادیت سے میں انکار نہیں کرتا، لیکن ان میں بالعموم ہوتا یہ ہے کہ کوئی Paper پڑھا جاتا ہے۔ بروقت دو چار باتیں تائید یا تردید میں کہی جاتی ہیں اور مجلس ختم ہوجاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی مسئلے پر مستقل غور کیا جائے، اس پر کچھ وقت لگایا جائے، اسے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے، اسلام کے موقف کو جاننے کی کوشش کی جائے اور اسے دنیا کے سامنے سوچی سمجھی رائے کی حیثیت سے پیش کیا

جائے۔ یہی اس یونی ورسٹی کا بھی بنیادی مقصد ہے۔

مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ اسلام دہشت گرد پیدا کرتا ہے، مسلمان دہشت گرد ہیں اور وہ مسلمان دہشت گرد ہیں جو اسلام پر عمل کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر دہشت گردی کا یہ تصور ہے کہ آدمی اپنی بات کو دلیل سے ثابت نہ کرے، بلکہ طاقت کے ذریعے منوانے کی کوشش کرے کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں اُسے مان لو، نہ مانوگے تو سر قلم کردوں گا۔ ظاہر ہے کہ اسلام کی پوری تعلیمات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔اس میں شک نہیں کہ زندگی کے بنیادی مسائل میں اسلام کا اپنا ایک موقف ہے، اس سے وہ ہٹتا نہیں ہے۔ اس کی ایک پوزیشن ہے جس سے پیچھے ہٹنے کے لیے وہ تیار نہیں ہے۔ زندگی کا ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ کائنات کا کوئی خالق و مالک ہے یا نہیں؟ وہ کہتا ہے کہ ہے۔ اسی طرح وہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ یہ اس کا بہت واضح موقف ہے۔ اس کے ساتھ وہ کہتا ہے کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اسے مانے یا نہ مانے۔ وہ دلائل سے مقابلہ کرتا ہے اور کہتا ہے:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:۲۹)

”جو چاہے اسے مان لے، جو چاہے اس کا انکار کردے۔“

جس مذہب کا یہ تصور ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اپنی بات طاقت کے ذریعے منواتا ہے، صریح ظلم اور ناانصافی ہے۔ طاقت کا مظاہرہ چاہے کوئی فرد کرے یا کوئی جماعت اور اس کی کوئی بھی شکل اختیار کی جائے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات اسلام کی بنیادی تعلیمات سے مغایر ہے۔ لیکن آج یہ بات جتنے بڑے پیمانے پر کہی جارہی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم بیٹھیں، سوچیں اور اسلام کے نقطۂ نظر کو پوری قوت کے ساتھ پیش کریں۔ ظاہر ہے کہ ایک بات مجھ جیسا کوئی آدمی کہے تو علمی دنیا میں اس کا وزن کم ہوگا، لیکن اگر ڈاکٹر ممتاز صاحب اور ان کی سطح کے لوگ کہیں تو اس کا وزن بڑھ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس طرح کے بنیادی مسائل پر غور وفکر کا ہمارے درمیان کوئی سسٹم ہو۔

اس طرح کا کوئی سسٹم بنے تو اس کی غیر معمولی افادیت ہوگی۔ اس کے مواقع آپ کو زیادہ حاصل ہیں۔ایسی مجلسیں ہندوستان میں بھی ہوسکتی ہیں، پاکستان میں بھی ہوسکتی ہیں،عرب ممالک میں بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ سیمیناروں سے ذرا مختلف چیز ہوگی۔

بہ ہرحال اس یونی ورسٹی کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تو مجھے پہلے سے حاصل تھیں۔ آج ڈاکٹر صاحب کے ذریعے جو تفصیلات سامنے آئیں، ان سے غیر معمولی خوشی ہوئی۔ ظاہر ہے، ایک طالب علم کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا ہوسکتی ہے کہ یہاں اکیڈمک کام ہورہا ہے۔

آخر میں دوبارہ میں ڈاکٹر ممتاز صاحب اور آپ تمام ساتھیوں کا شکر گزار ہوں کہ آپ سے ملاقات اور اس مجلس میں شرکت کرنے ، کچھ کہنے سننے اور جس بڑے پیمانے پر یہاں کام ہورہا ہے اسے جاننے کا موقع ملا۔

☆☆☆

اکیسویں صدی میں تحریک اسلامی کو درپیش چیلنجز

۹/ جون ۲۰۱۲ء کو سہ پہر چار بجے ادارۂ معارف اسلامی کراچی میں اہل علم و دانش کے ایک منتخب مجمعے کے سامنے 'اکیسویں صدی میں تحریک اسلامی کو درپیش چیلنجز' کے موضوع پر کیا گیا خطاب۔

میں ادارۂ معارف اسلامی کراچی کے ذمے داروں کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے آپ لوگوں سے ملاقات کا یہ موقع فراہم کیا۔ اس سے پہلے میں ۲۰۰۵ء میں پاکستان آیا تھا۔ اس وقت بھی اس ادارے میں آپ حضرات سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ہم سب اچھی طرح واقف ہیں کہ یہ ایک علمی ادارہ ہے، اسی مناسبت سے اس کے ذمے داروں کی خواہش ہے کہ اس وقت اسلام کو جو چیلنجز درپیش ہیں ان پر کچھ گفتگو کی جائے۔ اس سلسلے کی بعض باتیں اس وقت آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کروں گا۔

اظہارِ دین کا صحیح مفہوم

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

”وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے، خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو“

آیت کے الفاظ سورۂ توبہ (۳۳) اور سورۂ صف (۹) کے ہیں۔ الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ سورۂ فتح (۲۸) میں بھی آئی ہے۔ ان آیات میں اظہارِ دین کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین اس لیے نازل کیا ہے کہ اسے دوسرے ادیان پر غالب کردے، چاہے مخالفین کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کریں۔ 'اظہارِ دین' یا دین کو غالب کرنے کا کیا مفہوم ہے؟ عام طور پر ہمارا ذہن سیاسی غلبے کی طرف جاتا ہے۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی طور پر اسلام کو غلبہ حاصل ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دین کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں سیاسی غلبہ اور اقتدار حاصل ہوا اور آئندہ بھی ان شاء اللہ یہ غلبہ حاصل ہوگا، لیکن یہ بات ہر دور کے لیے نہیں ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اظہار دین کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کے اندر غلبے کی صلاحیت رکھی ہے۔ اس میں جو ہدایت، رہ نمائی اور فکری صلاحیت ہے وہ قیامت تک کے لیے ہے، اسے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کی علمی برتری اور اس کے دلائل کی قوت تا قیامت ہے۔ اگر کوئی قوم اسے استعمال کرے گی تو اسے سیاسی غلبہ بھی حاصل ہوگا۔ سیاسی غلبہ بعد کی چیز ہے، دین کا اصل غلبہ دلائل کا غلبہ ہے اور دلائل کے ذریعے اس کا دینِ حق ہونا ثابت شدہ ہے۔ دلائل کے میدان میں اسے شکست نہیں دی جاسکتی۔ یہ کم زوری ہماری ہوسکتی ہے کہ ہم اس کے دلائل کو صحیح معنی میں استعمال نہ کرسکیں، لیکن اگر اس کے دلائل کو صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے تو اسے ہرگز شکست نہیں دی جاسکتی۔ اس کا یہ غلبہ قیامت تک کے لیے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتو وہ قیامت تک کے لیے دین بھی نہیں بن سکتا۔ یہ دین قیامت تک کے لیے اسی وجہ سے دینِ حق

ہے کہ دلائل کے میدان میں اسے شکست دینا ممکن نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان دلائل کو اس کے ماننے والے کس حد تک استعمال کرتے ہیں اور اپنے حالات کے لحاظ سے اسے کس طرح پیش کرتے ہیں۔

علمی وفکری غلبہ سیاسی غلبے پر مقدم ہے

اس موضوع پر ایک اور پہلو سے غور کیا جائے ۔ دنیا میں سیاسی غلبہ علمی اور فکری غلبے سے جڑا ہوا ہے۔ اگر علمی اور فکری غلبہ ہوگا تبھی سیاسی غلبہ حاصل بھی ہوگا اور مستحکم بھی ہوگا۔ اگر علمی اور فکری اعتبار سے غلبہ نہ ہو تو سیاسی غلبہ قائم نہیں رہ سکتا۔ چند دنوں تک تو اس کا اثر دکھائی دے سکتا ہے، لیکن اگر اس کی فکری بنیادیں مضبوط نہیں ہوں گی تو سیاسی غلبہ بھی دیرپا نہیں ہوگا، بہت جلد ختم ہوجائے گا۔اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی نظریہ سیاسی غلبہ اسی وقت حاصل کرتا ہے جب وہ اس سے پہلے دلیل کے میدان میں غالب ہوجاتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد پیدا کیے جنھوں نے اسلام کی حقانیت کو دلائل کے ذریعے ثابت کیا۔ اسلام کی پوری تاریخ میں کوئی دور ایسا آپ نہیں بتا سکتے، جس میں دلائل کے ذریعے اسلام کی حقانیت اور اس کی برتری ثابت نہ کی گئی ہو۔ موجودہ دور میں بھی اسلام کی برتری اور حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے جن شخصیتوں نے غیر معمولی کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کی، ان میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا نام بہت نمایاں ہے۔ اسی کے نتیجے میں برصغیر میں تحریک اسلامی برپا ہوئی اور بہت سے ادارے وجود میں آئے۔ ان ہی میں سے ایک 'ادارۂ معارف اسلامی' بھی ہے۔

دنیا پر مغرب کا فکری وسیاسی تسلّط

محترم حضرات!

آج مغرب کو دنیا پر سیاسی غلبہ حاصل ہے۔ اپنے ملکوں پر تو اس کا غلبہ ہے ہی،

دوسرے ملکوں پر بھی اسی کی مرضی چلتی ہے۔ صرف دو ایک ممالک ہی ہیں جو اپنے انداز سے سوچتے ہیں، یا کچھ کرنا چاہتے ہیں، لیکن پوری دنیا مغرب کی تابع ہے۔ اس سیاسی غلبے کے پیچھے اس کی وہ فکری اور علمی کوششیں ہیں جو اس نے دوسوسال سے زیادہ عرصے میں کی ہیں۔ اس نے دنیا کو قائل کیا ہے کہ وہی طریقہ صحیح ہے جو اس نے اختیار کیا ہے اور جو لوگ اس کے خلاف سوچتے ہیں وہ غلط ہیں، ان کے پاس دلائل نہیں ہیں اور وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے، مذہب اپنی تاثیر کھو چکا ہے، اب ہماری زندگی میں اس کا کوئی عمل دخل باقی نہیں رہا۔ یہ بات انھوں نے اس زور اور قوت سے پیش کی کہ کسی بھی میدان میں مذہب کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی جاتی۔ انھوں نے تعلیم کا پورا ایک سسٹم تیار کیا۔ اس کے اندر بچہ نرسری میں داخلہ لیتا ہے، پھر تعلیم کے مراحل طے کرکے گریجویشن کرتا ہے، پوسٹ گریجویشن کرتا ہے، ڈاکٹریٹ کرتا ہے، یا اور آگے بڑھ جاتا ہے، لیکن کہیں اسے خدا اور رسول کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ انھوں نے کہا اور اپنے طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ خدا اور رسول کو ماننے بغیر بھی کام چل سکتا ہے اور ہم چلا رہے ہیں، ہم نے دنیا کو نیا فکر دیا ہے، نئی تہذیب دی ہے، نیا کلچر دیا ہے، ہم نے نئی نئی تحقیقات کی ہیں، نئی نئی ایجادات کی ہیں اور دنیا میں جو وسائل ہیں ان سے ہم فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں، اب ہمیں خدا کی، اس کی ہدایت کی، آخرت کی، فرشتوں کی، جنت اور دوزخ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کوئی شخص مانتا ہے تو مان لے، لیکن اس کی کوئی علمی اور عقلی بنیاد نہیں ہے اور نہ انسان کو اس کی ضرورت ہی ہے۔

اس صورت حال میں ضرورت ہے کہ اس جمی ہوئی فکر کو کم زور کیا جائے اور اس کے مقابلے میں ایک نئی تحریک اور نئی فکر پیش کی جائے۔ ظاہر ہے، یہ بہت بڑا کام ہے۔ مغرب کی فکر کو مستحکم کرنے کے لیے ہزاروں لاکھوں انسانوں نے کوشش کی۔ اگرچہ اسلامی فکر کو پیش کرنے اور مضبوط کرنے کے لئے ہمارے یہاں بھی کوششیں ہوتی رہی ہیں، انھیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، لیکن دنیا میں جو بڑی تبدیلی آپ دیکھنا چاہتے ہیں وہ

ان کوششوں سے نہیں آ سکتی۔ آپ مغرب کے قائم شدہ نظام کو ایک پہلو سے بدلنا چاہیں گے، وہ دوسرے پہلو سے آپ پر چھا جائے گا۔ آپ ایک میدان سے اسے ہٹانا چاہیں گے، وہ دوسرے میدان میں آپ پر غلبہ حاصل کرلے گا۔ آپ اس کا اندازہ اسی سے لگائیے کہ ہندوستان اور پاکستان کو آزاد ہوئے پینسٹھ (۶۵) سال سے زائد عرصہ گزر گیا، ایک تیسرا ملک بنگلہ دیش کے نام سے وجود میں آ گیا، لیکن یہ ممالک اب تک مجبور ہیں اس سسٹم کو اختیار کرنے کے لیے جو مغرب کا عطا کردہ ہے۔ وہ اس میں کوئی اساسی تبدیلی نہیں کرسکے۔ انھوں نے جو دستور بنایا اس کے خدوخال وہی ہیں جو مغرب نے متعین کیے، عدالتیں اسی کے تحت فیصلے کرتی ہیں، پوری معاشرت پر وہی چھایا ہوا ہے، معیشت پر عملاً اسی کا قبضہ ہے۔ انفرادی طور پر دیکھیں تو آپ کی وضع قطع، نشست وبرخاست پر اسی کا اثر ہے، اس سے آزاد ہوکر آپ سوچ نہیں پاتے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس نے جو فکر دیا اس کو اتنا مضبوط کیا کہ سیاسی اقتدار کے باوجود ہم اس سے ہٹ نہیں سکے۔ اس کے ذریعے جو فکر ہمیں ملا وہی ہمارے دل ودماغ پر حکم رانی کر رہا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام

آج مختلف مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں ہم غم وغصے کا اظہار کرتے ہیں، حالاں کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر واضح کریں۔ مثال کے طور پر آج کل مغرب نے دہشت گردی کا مسئلہ چھیڑ رکھا ہے اور اس کی بنیاد پر ہندوستان، پاکستان ہی نہیں، پوری دنیا میں اپنے خیالات پھیلا رہا ہے اور یہ تصور دے رہا ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہوتے ہیں۔ کبھی کہتا ہے کہ اسلام میں بھی دہشت گردی کے عناصر موجود ہیں، اس لیے جب تک اسلام ہے اس وقت تک دہشت گردی باقی رہے گی، اگرچہ سیاسی مصالح کے تحت اس کا انکار بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بتانے کی کوشش بھی جاری ہے کہ دہشت گردی کا سرچشمہ قرآن مجید اور اللہ کا دین اسلام

ہے۔ اس تصور کی بنیاد پر مغرب نے یہاں کی فضا بھی مکدر کر رکھی ہے، ہندوستان اور دیگر ممالک پر بھی اس کے اثرات ہیں۔

دہشت گردی کی تعریف کرنا آسان نہیں ہے، لیکن اس کا تصور یہ ہے کہ آدمی اپنی بات منوانے کے لئے دلیل کا نہیں، بلکہ طاقت کا سہارا لے۔ ایک شخص آپ کی بات نہیں مان رہا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دلیل سے اسے منوایئے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کی گردن مار دیجیے۔ دہشت گردی کا تصور بنیادی طور پر یہی ہے کہ آپ اپنی بات کو منوانے کے لیے دلیل کا سہارا نہ لیں، بل کہ طاقت کا سہارا لیں۔ مغرب کا الزام ہے کہ ابھی چوں کہ مسلمانوں کے پاس عسکری طاقت زیادہ نہیں ہے، اس لیے ان میں کے کچھ افراد دہشت گردی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اگر ان کی کوئی ریاست فوجی لحاظ سے مضبوط ہوجائے تو وہ بھی دہشت گرد ہوجائے گی۔ حالاں کہ یہ پورا تصور اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

اسلام اور آزادئ فکر وعقیدہ

اسلام نے تو صاف صاف کہا ہے کہ وہ ایک نظریہ اور فکر کا نام ہے۔ کوئی بھی شخص اسے ماننے پر مجبور نہیں ہے۔ وہ دلائل کے ساتھ اپنی بات کہتا ہے۔ جو چاہے اسے مانے اور جو نہ ماننا چاہے نہ مانے، اس میں وہ پوری طرح آزاد ہے۔ دوسری بات یہ کہ اسلام چاہتا ہے کہ ہر حال میں عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ وہ انصاف کے قیام کے لیے زور دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ دشمن ہو تب بھی انصاف کرو:

وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ (المائدۃ:۸)

”کسی قوم کی دشمنی تمھیں اتنا مشتعل نہ کرے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ انصاف کرو، تقویٰ سے قریب تر یہی بات ہے“۔

قرآن حکیم میں ایسی کتنی ہی آیتیں ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ قیامِ عدل

اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد ہے۔ وہ جو قوت اور طاقت حاصل کرتی ہے اس کا مقصد بھی قیام عدل ہے۔ عدل کے ساتھ سیاسی جبر اور ظلم جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ بات جس قوت اور جن دلائل کے ساتھ اور جس بڑے پیمانے پر موجودہ نظام کو سامنے رکھ کر کہنے کی ہے وہ ہم نہیں کہہ پا رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں، بعض اوقات ہم اسلام کا موقف بیان کرتے ہیں، لیکن یہ اپنے سرکل میں بیان کرتے ہیں۔ ہمارا جو اصل مخاطب ہے اس تک ہماری بات نہیں پہنچتی۔ آج سے نہیں، ایک طویل عرصے سے کہا جارہا ہے کہ اگر اسلام برصغیر میں پھیلا ہے تو محض اس وجہ سے کہ یہاں مسلمانوں کے ہاتھ میں حکومت تھی اور انھوں نے تلوار کے زور پر لوگوں کو مسلمان بنایا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ خلافِ واقعہ ہے، تاریخ اس کی تردید کرتی ہے۔ ایک موقع پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مشترک مجمع تھا۔ میں نے اس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں قرآن حکیم کا ایک طالب علم ہوں، اس کا تھوڑا بہت مطالعہ میں نے کیا ہے۔ مجھے وہ آیت یا حدیث بتا دیجیے جس میں کہا گیا ہو کہ اسلام کو نہ ماننے والوں کو قتل کردو۔ میں نے جو قرآن کریم پڑھا ہے اس میں تو صاف صاف کہا گیا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط (النحل: ۱۲۵)

''بلاؤ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ، عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو''۔

اس آیت میں دعوت کے تین طریقے بتائے گئے ہیں: ایک طریقہ ہے حکمت۔ حکمت عقلی استدلال کو کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ ہے عمدہ نصیحت، یعنی مخاطب کو نرمی اور دل سوزی سے سمجھایا بجھایا جائے اور انکارِ حق کے نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ تیسری بات یہ کہی گئی کہ اس پر گفتگو ہو تو سلیقے سے اور تہذیب اور شائستگی کے ساتھ ہو۔ یہ نہیں کہ آدمی نرمی سے گفتگو کر رہا ہے، مگر آپ جھنجھلا جائیں۔ وہ کوئی سخت بات کہے تو

آپ بدزبانی پر اتر آئیں، یا اسے تھپڑ رسید کردیں۔ میں نے عرض کیا کہ قرآن حکیم نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اسے پھیلانے کا یہ طریقہ بتایا ہے۔ میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ وہ کون شخص ہے جس کے سر پر تلوار رکھ کر اسے مسلمان بنایا گیا۔ آپ کے پاس کوئی ثبوت ہوگا۔ میں اس وقت شریعت کا ایک مسئلہ بتا تا ہوں، وہ یہ کہ ہمارے علمائے کرام نے صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ اگر کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا تو اس کے ایمان کا اعتبار نہیں ہوگا اور اگر وہ کہے کہ میں اپنے سابق مذہب پر واپس جانا چاہتا ہوں تو وہ جاسکتا ہے، اسے مرتد کی سزا نہیں دی جائے گی۔ قرآن حکیم نے بھی یہی کہا ہے اور ہمارے علمائے کرام اور فقہاء نے بھی یہی کہا ہے اور اس وقت کہا ہے جب ان کے ہاتھ میں اقتدار تھا۔ کسی نے نہیں کہا کہ تم زور زبردستی سے اپنی بات منواؤ۔

اسلامی نقطۂ نظر کی پیش کش دلائل کے ساتھ ہو

یہ باتیں جس قوت اور جتنے پختہ دلائل کے ساتھ پیش ہونی چاہئیں وہ نہیں ہورہی ہیں ۔ بہ ہرحال یہ ایک خلا ہے اور جب تک یہ خلا پُر نہیں ہوگا، کسی کے بارے میں آپ یہ توقع نہیں کرسکتے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا۔ اسی طرح یہ خیال کہ پرانا نظام اپنی جگہ آسانی سے خالی کردے گا اور اسلامی نظام آجائے گا، سادہ لوحی ہے۔ کوئی بھی شخص اپنے موقف سے اسی وقت ہٹتا ہے جب آپ دلائل سے اس کا غلط ہونا ثابت کردیں۔ قرآن کریم نے یہی کیا تھا ۔ اس وقت شرک کی بنیاد پر ایک نظام قائم تھا۔ قرآن حکیم نے شرک کو چیلنج کیا۔ اس کے ساتھ اس نے یہ بھی کہا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کے پیچھے مضبوط دلائل ہیں:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ (یوسف::۱۰۸)

''ان سے کہہ دیجیے کہ یہ ہے میرا راستہ۔ میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔ اور بصیرت پر میں بھی قائم ہوں اور میرے ساتھی بھی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب اس دعوے کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے کہ وہ اپنے موقف پر مضبوط دلائل رکھتے ہیں اور علیٰ وجہ البصیرت دنیا کو حق کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہی چیز ہے جس نے انھیں باطل کے مقابلے میں ثابت قدم رکھا اور دوسروں کو غور وفکر پر آمادہ کیا، ورنہ بغیر دلیل کے محض ہمارے کہنے سے کسی شخص کا اپنا موقف بدل دینا آسان نہیں ہے۔

سماج کے ساتھ فرد کو بھی مخاطب بنایا جائے

ایک اور پہلو سے اس مسئلے پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ آپ اسلام کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ اس سے ملک کا نظام بہتر طریقے سے چلے گا، ظلم اور ناانصافی کا خاتمہ ہوگا، عدل وانصاف قائم ہوگا، معیشت بہتر ہوجائے گا، غریبی دور ہوگی، امیر اور غریب کا فرق ختم ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں صد فی صد صحیح ہیں۔ لیکن جب یہ باتیں آپ کہتے ہیں تو آپ کے سامنے سماج ہوتا ہے، فرد نہیں ہوتا۔ فرض کیجیے، آپ یہ کہیں کہ اسلامی نظام آئے گا تو غربت دور ہوجائے گی۔ یہ ایک حقیقت کا بیان ہے، لیکن جو شخص غریب نہیں ہے وہ کہے گا کہ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے، میں مال دار ہوں۔ آپ کہیں گے، اسلامی نظام سے دنیا میں عدل قائم ہوجائے گا۔ وہ کہے گا کہ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے، میرے اوپر کوئی ظلم نہیں کر رہا ہے، میں سکون سے زندگی گزار رہا ہوں۔ قرآن حکیم اللہ کے دین کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ ہر شخص کا مسئلہ ہے۔ یہ غریب سے غریب شخص کا بھی مسئلہ ہے اور امیر ترین شخص کا بھی۔ خدا کو ماننا یا نہ ماننا صرف سماجی مسئلہ نہیں ہے، بل کہ فرداً فرداً ہر شخص کا مسئلہ ہے۔ اسلام جب آیا تھا اس وقت وہ امیروں کے لیے بھی ایک سوال تھا اور غریبوں کے لیے بھی۔ ان میں سے ہر ایک نے سمجھا کہ یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ہر شخص تنہا خدا کے سامنے حاضر ہوگا اور جواب دے گا کہ اس نے خدا کو مانا تھا یا نہیں اور اللہ کے رسولؐ کی رسالت کو

تسلیم کیا تھا یا نہیں۔ میں کبھی کبھی اسے ایک چھوٹی سی مثال سے سمجھاتا ہوں ۔ ایک آدمی کتنا ہی نیک ہو، اچھا ہو، لیکن اگر وہ اپنے باپ کو نہ مانے تو اس کی نیکیوں کے باوجود وہ ایک سنگین جرم کا ارتکاب کرے گا۔ اسی طرح مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہم کسی طرح کی پریشانی میں مبتلا ہیں یا نہیں، مسئلہ یہ ہے کہ ہم خدا کو مانتے ہیں یا نہیں، اس کی ہدایت کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں یا نہیں کہ اگر اس کی ہدایت پر عمل نہیں کیا تو آخرت میں پکڑے جائیں گے؟ ظاہر ہے، یہ مسئلہ پوری زندگی کا ہے اور ہر پہلو سے ہے۔

بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرد، جسے ہمارا ہدف ہونا چاہیے، وہ صحیح معنوں میں ہدف نہیں بن پاتا۔ اسلام کا اجتماعی تصورِ حیات صد فی صد صحیح ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام ہی کے ذریعہ بہتر نظامِ سیاست وجود میں آئے گا، بہتر قانون ملے گا، عدل وانصاف قائم ہوگا، معیشت بہتر ہوگی ، امیری اور غریبی کا فرق ختم ہوگا۔ یہ ساری باتیں صحیح ہیں، لیکن ان کی اہمیت پورے سماج کے لیے ہے، سماج کے ہر فرد کے لیے نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں کسی خاص طبقے کے لیے اور خاص ملک کے لیے کشش ہو، دوسرے کے لیے نہ ہو، جب کہ اللہ کا دین سب کے لیے ہے۔

بہت سے مسائل ایسے ہیں جو خود انسانوں کے پیدا کردہ ہیں۔ مغرب نے گزشتہ دوسو سال میں جو تجربات کیے ہیں ان کی کم زوریاں سامنے آرہی ہیں ۔ لیکن ان کا کوئی متبادل ان کے پاس نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ عورت اور مرد کی آزادی کی وجہ سے خاندان کا سسٹم تباہ وبرباد ہوگیا ہے تو اس کا وہ انکار نہیں کرسکتے۔ اب تو وہ خود ہی کہتے ہیں کہ خاندان کو آباد کرنا چاہیے۔ ان کے درمیان اس سلسلے میں تحریکیں چلنے لگی ہیں۔ جب انھوں نے دیکھا کہ خاندان کا سسٹم خراب ہوگیا ہے اور زندگی سکون سے محروم ہے تو پھر وہ گھر کی طرف واپسی کی بات کرنے لگے ہیں۔ لیکن کوئی ایسا فیملی سسٹم، جس کو وہ اس کا متبادل قرار دے سکیں، ان کے پاس نہیں ہے ۔ کہیں سے کوئی آواز آتی ہے کہ اسلام کے معاشرتی نظام کا تجربہ کرنا چاہیے تو ہم خوش ہوجاتے ہیں ، لیکن ظاہر

ہے کہ یہ آواز شاذ و نادر ہی کانوں سے ٹکراتی ہے اور بہت دھیمی ہوتی ہے۔ کسی کی اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ بحیثیت مجموعی وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے پاس خاندان کا کوئی نظام موجود ہے۔ یا ان کا یہ خیال کہ عورتوں کے ساتھ اسلام میں بڑی زیادتی پائی جاتی ہے اور اسے وہ اسلام پر تنقید کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس میں بعض اوقات ناواقفیت کا بھی دخل ہوتا ہے۔ اگر ہم یہ ثابت کرسکیں کہ اسلام عورت کے ساتھ انصاف کرتا ہے اور اس نے حقوق واختیارات کے معاملے میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، جو فرق تم سمجھتے ہو وہ حقیقی فرق نہیں ہے، اس کے اسباب اور حکمتیں دوسری ہیں۔ اگر یہ ساری باتیں وضاحت اور دلائل کے ساتھ ان کے سامنے آئیں تو ہوسکتا ہے وہ ان پر غور کریں۔

اسلام کو ایک متبادل کے طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے

دوستو اور ساتھیو!

مسائل ایک دو نہیں، بے شمار ہیں، جن کے بارے میں آج کی دنیا سوچتی ہے اور ان کا کوئی متبادل بھی چاہتی ہے، لیکن علمی اور فکری سطح پر ابھی ہم اس مقام پر نہیں ہیں کہ کہہ سکیں کہ ہم نے اسلام کو ایک متبادل کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کردیا ہے اور اب دنیا اس پر غور کرنے کے لیے مجبور ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم علمی اور فکری سطح پر اسلام کو دنیا کے سامنے ایک متبادل کے طور پر پیش کریں۔ دنیا میں آج کہیں سے یہ آواز نہیں اٹھ رہی ہے کہ اسلام بھی زندگی گزارنے کا ایک طریقہ رکھتا ہے، اس پر غور ہونا چاہیے۔ نہ کہیں سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ مولانا مودودیؒ نے ایک متبادل پیش کیا ہے، اس پر غور کرو، حسن البناؒ نے ایک متبادل پیش کیا ہے، اس پر غور کرو، یا فلاں تنظیم ایک متبادل کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے، اس پر غور کرو۔ اس صورت حال میں آپ کا یہ سمجھنا کہ پورا سسٹم بدل جائے گا اور دنیا اسلام کی طرف لپکے گی، میرے خیال میں بہت دور کی بات ہے۔ اسلام نے غلبۂ دین کی جو بات کہی ہے، اس کی بنیاد علم اور فکر پر ہے، اس کے بعد سیاسی میدان میں غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

یہ مجلس گفتگو اور تبادلۂ خیال کی ہے۔ جو باتیں میں نے عرض کی ہیں وہ اگر کسی قابل ہیں تو آپ سب اصحاب علم سے توقع ہے کہ ان پر غور کریں گے۔

[خطاب کے بعد حاضرین کی جانب سے مختلف سوالات کیے گئے، جن کے محترم امیر جماعت نے جواب دیے۔ چند سوالات و جوابات درج ذیل ہیں]

س: کیا دنیا کو اسلام کی طرف بلانے کے لیے پہلے کسی اسلامی ریاست کا وجود ضروری ہے، یا محض علمی اور فکری کام سے یہ مقصد پورا ہوسکتا ہے؟

ج: اسلام کی طرف دعوت کے لیے اس کے نظریات اور اس کی تعلیمات اصل ہیں۔ یہ کام بغیر ریاست کے بھی ہوسکتا ہے۔ اسلام کی بنیاد پر کوئی ریاست موجود ہوتو وہ اسلام کی حقانیت کا عملی ثبوت ہوگی اور وہ خود بھی دعوت کا فریضہ انجام دے گی۔

س: آپ نے جس فکری اور علمی خلا کا تذکرہ کیا ہے اسے پر کرنے کیلیے کیا کوششیں کی جارہی ہیں؟ کیا تحریک اسلامی اور دنیا کے جید علمائے کرام اس کا کوئی منصوبہ رکھتے ہیں؟

ج: اس سلسلے میں اب تک جو کوششیں ہوئی ہیں وہ بڑی حد تک انفرادی رہی ہیں اور بعض کوششوں کو جماعتوں کا تعاون حاصل رہا ہے۔ اس کا سوچا سمجھا وسیع منصوبہ وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ادارۂ معارف اسلامی اور دیگر ہم خیال ادارے مل کر سوچ سکتے ہیں۔

س: کیا اس کے لیے الگ تعلیمی نظام کی ضرورت ہے، یا تحریک اسلامی کی فکری تربیت کافی ہے؟

ج: اس مقصد سے الگ تعلیمی نظام کی کوشش بہت زیادہ کامیاب نہیں ہے۔ اس کے اسباب پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ تحریک اسلامی کی فکری تربیت افراد کے تیار کرنے میں یقیناً معاون ثابت ہورہی ہے۔

☆☆☆

غلبۂ دین کے لیے علمی و فکری تیاری کی ضرورت

۱۲رجون ۲۰۱۲ء کو بعد نماز عصر سید مودودیؒ اکیڈمی لاہور کے افتتاح کے موقع پر اسلامی جمعیت طلبہ کے نوجوانوں کے سامنے کیا گیا خطاب۔

عزیزانِ گرامی!

آپ نے ایک علمی اکیڈمی کے افتتاح کے لیے اس عاجز کو یاد کیا۔ اس کے لیے میں آپ تمام عزیزوں کا شکرگزار ہوں۔ یہ اکیڈمی جس مقصد کے لیے قائم ہوئی ہے وہ بہت بڑا مقصد ہے اور ہم سب کا مقصد ہے۔ اس کی نسبت ایک ایسی ہستی کی طرف ہے، جس سے ہم سب نے فکری غذا حاصل کی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اسلامی نظام کا جو تصور دیا اس کے پیچھے دلائل تھے، اس لیے اس نے بہت سے افراد کو متاثر کیا، ان کے ذہنوں کو بدلا اور اقامتِ دین اور اسلامی نظام کے قیام پر انھیں آمادہ کیا۔ خوشی ہے کہ آج اس کے اثرات عالمی سطح پر محسوس کیے جارہے ہیں۔

تحریکِ اسلامی کا استحکام فکری سرمایہ سے ممکن ہے

تحریکیں اپنے فکری سرمایہ کی بنیاد پر پیش قدمی کرتی ہیں۔ یہ سرمایہ جتنا مضبوط

ہوگا، جتنا بڑھے گا، تحریک اتنی ہی مضبوط ہوگی اور ترقی کرے گی۔ اس سرمایے میں اگر کمی آئے گی یا کسی طرح سے یہ ناقص رہ گیا تو اس کا اثر بھی یقیناً تحریک اسلامی پر پڑے گا۔ آپ حضرات اچھی طرح واقف ہیں کہ جماعت اسلامی پاکستان کو اسلامی جمعیت طلبہ اپنی صفوں سے قیادت فراہم کرتی رہی ہے اور آئندہ بھی اس سے یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ اس کے ذریعہ جماعت کو آگے بڑھانے اور راہ نمائی کرنے والے افراد ملتے رہیں گے۔ جمعیت مختلف میدانوں میں اپنی خدمات انجام دے رہی ہے۔ تھوڑی بہت واقفیت خود مجھے بھی ہے، لیکن یہ جگہ، جہاں اس وقت یہ اجلاس ہورہا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ یہاں سے وہ علمی وفکری کام انجام پائے جو مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے انجام دیا تھا۔ جو سرگرمی ہم یہاں پاکستان میں اور پاکستان کے باہر اقامت دین کی دیکھ رہے ہیں اس کی بنیاد اصلاً اس فکری سرمایہ پر ہے جو مولانا مودودیؒ نے فراہم کیا تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فکری سرمایے کو آگے بڑھایا جائے۔

مولانا مودودیؒ کا کارنامہ

مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ دین کا جامع اور واضح تصور دیا، اسے مدلّل اور مبرہن کیا، بلکہ اس فکر کی بنیاد پر ایک تنظیم بھی برپا کی۔ الحمدللہ ہم سب اسی کا حصہ ہیں۔ تحریکیں زندہ اس وقت رہتی ہیں، جب کہ فکری طور پر ان کی آبیاری ہوتی رہے۔ اگر اس کے فکری سوتے خشک ہوگئے تو وہ زیادہ دنوں تک اپنا وجود باقی نہیں رکھ سکتیں، دیر سویر ختم ہوجائیں گی۔ تحریک اسلامی کی ضرورت یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ ملکی یا عالمی سطح پر اٹھے تو قرآن وحدیث کی رہنمائی فراہم کی جائے، تبھی ہماری پیش قدمی جاری رہ سکتی ہیں۔ اگر اس معاملے میں کوتاہی ہوگی تو ہمارے قدم پیچھے ہٹنے لگیں گے۔

صدرِ اوّل کی مثال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب رحلت ہوئی تو صحابۂ کرام پر اس کا اتنا

صدمہ تھا جیسے ہوش گم ہوگئے ہوں۔ حضرت عمرؓ کی یہ کیفیت تھی (اور ظاہر ہے کہ یہ کیفیت اس تعلق کا نتیجہ تھا جو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا) کہنے لگے کہ اللہ کے رسول اس دنیا سے کیسے چلے جائیں گے؟ اگر کوئی شخص کہے گا کہ آپ کی رحلت ہوگئی ہے تو میں اس کا سرتن سے جدا کردوں گا۔ اس صورت حال میں حضرت ابوبکرؓ نے صحابہٴ کرام کو جمع کیا اور ان کے سامنے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

”محمدؐ تو بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ وفات پاجائیں یا قتل کردیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پیر پھر جاؤ گے۔ جو شخص الٹے پیر پھر جائے گا وہ اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرسکے گا اور جو لوگ اللہ کے شکر گزار بن کر رہیں گے، اللہ ان کو جلد ہی بہترین اجر دے گا۔“

پھر فرمایا:

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّداً فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدمَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْت (صحیح بخاری: ۱۲۴۲)

”جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اب تو آپ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا اسے یاد رکھنا چاہیے کہ وہ تو زندہ ہے، اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی۔“

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت جب میں نے حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے سنی تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ آج ہی نازل ہوئی ہے۔

دیکھیے، امت کے اندر کتنی بے چینی تھی۔ اس سے بڑا واقعہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ

کل تک اللہ کے رسول ﷺ بہ نفس نفیس موجود تھے، آج نہیں ہیں۔ کتنے لوگوں کے ہوش ختم ہوگئے، لیکن جب قرآنی فکر سامنے آیا تو اتنے بڑے سانحے کو انگیز کرلیا گیا۔ بڑے بڑے حادثات اور واقعات امت پر آتے رہیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امت میں ایسے افراد موجود ہوں جو قرآن کی روشنی میں صحیح راہ نمائی کریں اور امت کو صحیح راستے پر قائم رکھیں۔

مغرب کا مقابلہ فکری سطح پر کیا جائے

میرے دوستو اور ساتھیو!

جیسا کہ میں نے عرض کیا، جمعیت بہت سے کام کررہی ہے، لیکن احساس یہ ہوتا ہے کہ وہ فکری کام، جس کی بنیاد پر تحریک اسلامی وجود میں آئی ہے اور اس جذبے کے تحت وجود میں آئی ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنا ہے، اس فکر کو آگے بڑھانے کے لیے جیسی کوشش جمعیت کی طرف سے ہونی چاہیے، نہیں ہورہی ہے۔ اس کے جو بھی اسباب ہوں، کچھ اسباب آپ بیان کریں گے، کچھ اسباب سے میں بھی واقف ہوں، لیکن ان اسباب پر قابو پانا آپ کا اور ہمارا کام ہے۔ اس بات سے خوشی ہورہی ہے کہ جمعیت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جس جگہ بیٹھ کر اس دورِ آخر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فکری سرمایہ فراہم کیا تھا اسی جگہ سے اسلامی فکر کو آگے بڑھانے اور اسے مستحکم اور مضبوط کرنے کی کوشش کی جائے۔

آج کے دور میں آپ چلتے پھرتے بھی محسوس کرسکتے ہیں کہ یہ فکری کشمکش کا دور ہے۔ ہماری فکری بنیادیں کم زور ہوں گی تو مخالف افکار ان پر غالب آجائیں گے۔ اسلام کے فکری غلبہ کو باقی رکھنے کے لیے آپ کو طویل اور مسلسل جدوجہد کرنی ہوگی۔ آپ جانتے ہیں کہ مغربی فکر کا غلبہ اس طرح ہوا کہ دو سو سال سے زیادہ عرصے تک اسے مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی اور اب بھی کی جارہی ہے، تب یہ اپنی بنیادوں پر کھڑا

ہے۔ اسے اگر آپ منہدم کرنا چاہتے ہیں، تو آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ کتنی زبردست کوشش آپ کو کرنی ہوگی۔ یہ ہماری خواہش ہے اور بہت مبارک خواہش ہے کہ آج کے باطل نظریات ختم ہوجائیں،موجودہ فاسد نظام بدل جائے اور ایک نیا نظام وجود میں آجائے، نیا عقیدہ وجود میں آجائے، نیا فکر وجود میں آجائے، نئ اخلاقیات وجود میں آجائیں،نئ معیشت اور نئ معاشرت وجود میں آجائے، نئ سیاست وجود میں آجائے، خاندان کا نیا سسٹم وجود میں آجائے،لیکن محض ہماری خواہش سے اتنا بڑا واقعہ رونما نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے آپ کو ہر میدان میں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ تمہارا جو سسٹم ہے اس سے بہتر سسٹم ہمارے پاس موجود ہے اور اسی سسٹم کو اختیار کرکے تم ان مسائل سے نجات پاسکتے ہو جن میں تم گھر چکے ہو اور پھر یہ سسٹم وہ ہے جو تمہاری دنیا کو بھی بہتر بنائے گا،تم آج سے زیادہ ترقی کروگے اور تمھاری آخرت کو بھی سنوارے گا۔ اس بات سے انکار آسان نہیں ہے کہ یہ دنیایوں ہی ختم نہیں ہوجائے گی، بلکہ اس کے بعد آخرت آنے والی ہے اور ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے اورتمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے کہ آخرت آئے گی تو اس کا سامنا تم کرسکو گے۔ یہ دین وہ ہے جو تمہارے ذاتی اور شخصی مسائل بھی حل کرتا ہے، تمہارے جماعتی مسائل بھی حل کرتا ہے، ملی اور ملکی مسائل بھی حل کرتا ہے، تمھیں بہترین فیملی سسٹم دیتا ہے، تمھاری معیشت اور معاشرت کو صحیح رخ دیتا ہے اور تمھیں جنت کا مستحق بناتا ہے۔

انقلاب نعروں سے نہیں، فکر اور دلائل سے آتا ہے

دوستو! تحریکات میں جذبات کے اظہار کی، جلسوں اور جلوسوں کی اور متعین مقاصد کے لیے سیاسی جدوجہد کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بغیر آج کے دور میں کسی بڑی سیاسی تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ آپ جب کوئی نعرہ بلند کرتے ہیں تو مجھ جیسے بوڑھے آدمی کے خون میں بھی حرارت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن یہ کسی

انقلاب کے لیے ناکافی ہے۔ انقلاب دنیا میں نعروں سے اور سلوگن سے نہیں آئے گا، انقلاب آئے گا فکر سے اور دلائل سے۔ دنیا آپ کی بات سن کر کہے کہ ہمارے سامنے ایک نیا سسٹم آ گیا ہے، اس پر غور کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ آج آپ کہیں بھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کہیں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ بہت سی چھوٹی بڑی تبدیلیاں رونما ہوتی ہی رہتی ہیں۔ لیکن ہم جو تبدیلی چاہتے ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیا یہ کہے کہ ہمارے سامنے ایک نیا فکر آ گیا ہے، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے ۔ ایک متبادل پیش کیا جا رہا ہے اور ایک نیا نقطۂ نظر، غور وفکر کی دعوت دے رہا ہے، اس کی بنیاد پر بھی دنیا کا نظام چل سکتا ہے۔ یہ سوال ابھی ہم نے نہیں کھڑا کیا ہے۔ میں آپ کی خدمات کا ہزار بار اعتراف کروں گا، لیکن اس واقعے سے آپ انکار نہیں کر سکتے کہ دنیا میں یہ سوال ابھی تک آپ نے کھڑا نہیں کیا ہے، جب کہ آپ کے پاس مضبوط لٹریچر بھی ہے اور اس لٹریچر کی بنیاد پر یا اس نہج پر آپ اس سے بھی بڑا کام کر سکتے ہیں۔

تحریک اسلامی کو ماہر افراد مطلوب ہیں

اس کے لیے جس بات کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ آپ میں سے کچھ افراد ایسے ضرور ہوں جو اپنی زندگیاں اس کے لیے وقف کر دیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا اسلامی فکر ہو، وہ یہ صلاحیت پیدا کریں کہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں وہ سند کا درجہ رکھتے ہوں اور اسلام پر بھی ان کی باتیں مستند تسلیم کی جائیں۔ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ جس فیلڈ میں وہ بات کر رہے ہیں اس کا ان کو علم نہیں ہے اور اسلام سے پوری واقفیت کے بغیر وہ اس کے بارے میں اظہار خیال کر رہے ہیں۔ آپ میں سے کچھ افراد ایسے ضرور ہونے چاہییں جو اپنی زندگی لگا کر اپنی اپنی فیلڈ میں مہارت پیدا کریں اور اسلامی علوم پر بھی ان کو عبور ہو۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مقام بڑی مشکل سے سماج میں کسی شخص کو حاصل ہوتا ہے، کہ لوگ کہیں کہ اس فن میں اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے اور اس سے رہنمائی

حاصل کی جانی چاہیے۔ اس کے لیے کچھ افراد آپ میں سے تیار ہوں اور پوری جمعیت اور پوری جماعت کی ذمہ داری ہے کہ ان کے لیے اس کے مواقع فراہم کریں، تب یہ کام آگے بڑھے گا۔ بغیر خونِ جگر جلائے علمی وفکری کام انجام نہیں پاتا۔ جن شخصیات کو بھی آپ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے کوئی بڑی علمی خدمت انجام دی ہے، انھوں نے اس کے لیے اپنی زندگیاں کھپادیں، تب وہ اس قابل ہوئے کہ لوگوں نے انھیں اسلام پر سند مانا اور ان سے علمی وفکری رہنمائی حاصل کی۔

مہارت کے لیے قربانی دینی ہوگی

میں صرف یہ عرض کروں گا کہ بڑا مبارک قدم آپ نے اٹھایا ہے۔ جو روشنی یہاں سے پھیلی ہے اسے جاری رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو ایسے افراد چاہییں جو اپنی زندگیاں اس میں لگا دیں، ہر طرح کی قربانی دیں، جن میں یہ حوصلہ ہو کہ اس کی خاطر دنیا کے مفادات کو بھی نظر انداز کرسکیں۔ مولانا مودودیؒ کی زندگی میں، آپ جانتے ہیں، کتنے ہی ایسے مواقع آئے کہ اگر وہ چاہتے تو کسی تعلیمی ادارے کے ذمہ دار ہوجاتے، کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہوجاتے، ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ ہوجاتے۔ ایوب خان نے تو یہ چاہا تھا کہ وہ خود ایک یونیورسٹی قائم کریں اور اس کے وائس چانسلر ہوجائیں، لیکن انھوں نے کہا کہ مجھے یہ نہیں چاہیے، میں تو اسلامی فکر کا غلبہ چاہتا ہوں۔ اگر کوئی شخص ذرا ذرا سی ترغیب پر اور ذرا ذرا سی توقع پر علمی اور فکری کام چھوڑ دے اور جدھر کوئی چمک دیکھے ادھر دوڑ پڑے تو اس سے سرسری طور پر تو کچھ باتیں ظاہر ہوسکتی ہیں، لیکن وہ سند اور اتھارٹی نہیں بن سکتا اور دنیا اس کی طرف رجوع نہیں کرسکتی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری ایک ٹیم تیار ہو اور اس کی ذمہ داری جمعیت اپنے ہاتھ میں لے اور جماعت اس کا تعاون کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۝ (آل عمران:۱۰۴)

''تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہوں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں، جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری امت پر یہ ذمہ داری ہے کہ خیر کی دعوت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دے اور یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اس کے لیے ایک جماعت تیار کرے۔ ظاہر ہے کہ ابھی ہم اس موقف میں نہیں ہیں کہ پوری امت کو اس کام میں لگاسکیں، یا امت کسی متعین منصوبہ کے تحت اس طرح کا کوئی ادارہ قائم کرسکے۔ آپ نے جب ارادہ کیا ہے تو اس کام کو آگے بڑھانے کی کوشش کیجیے اور اس کے لیے ممکنہ تدابیر اختیار کیجیے۔ مولانا مودودیؒ نے اپنی زندگی کے آخری مرحلے میں پہلے کراچی میں، پھر لاہور میں ادارۂ معارف اسلامی قائم کیا تھا۔ اب اس کے بعد آپ نے یہ ارادہ کیا ہے۔ میں تو صرف دعا کروں گا کہ آپ اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہوں، اپنے اس ارادہ کو عزم میں تبدیل کریں اور اس فیصلے کے ساتھ اٹھیں کہ اس کام کے لیے جو قربانی مطلوب ہے وہ پیش کریں گے، تب آپ کا یہ جذبہ بارآور اور نتیجہ خیز ہوگا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کتنے ایسے ادارے ہیں، جہاں کبھی کبھی کوئی پروگرام ہوجاتا ہے، اجلاس ہوجاتے ہیں، جلسے ہوجاتے ہیں، لیکچر ہوجاتے ہیں، سمینار ہوجاتے ہیں، لیکن ایسے افراد، جو اس کام میں اپنی زندگی لگا دیں اور اپنے آپ کو گھلا دیں، وہ کم ہوتے ہیں اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اس کے بغیر کوئی قابل ذکر کام انجام نہیں پاسکتا۔

ہمارے لیے یہ کوئی بڑی مثال نہیں ہے، صرف اپنی بات کی تائید اور توثیق کے لیے عرض کررہا ہوں۔ مارکس، جس کے ذریعہ دنیا کے ایک بڑے حصے میں انقلاب آیا، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ برلن کی لائبریری میں وہ سب سے پہلا شخص ہوتا جو داخل ہوتا اور سب سے آخری شخص ہوتا جو وہاں سے نکلتا۔ تب اس کے ذریعہ

Capital جیسی تصنیف وجود میں آئی، جو دنیا کے بڑے حصے پر اثر انداز ہوئی۔ کیا اس کے پاس نوکریاں نہیں تھیں، مواقع نہیں تھے، لیکن اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ دنیا کا نقشہ بدلنا ہے، سرمایہ داری، زمین داری اور اس جیسی دوسری چیزوں کو ہٹا کر اور ظلم و زیادتی کو ختم کر کے سوشلسٹ سماج قائم کرنا ہے۔ وہ کتنا کامیاب ہوا اس سے بحث نہیں ہے، صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اس طرح کی جب کیفیت ہوتی ہے تب وہ چیز وجود میں آتی ہے جس سے دنیا کا نقشہ بدلتا ہے۔

میرے دوستو اور ساتھیو!

مسلمانوں کی تاریخ میں اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ کچھ لوگوں نے اپنی زندگیاں کھپائیں اور آج ہم ان کی فکر اور علم و تحقیق سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

آخر میں پھر عرض کروں گا کہ آپ نے جو قدم اٹھایا ہے وہ بہت ہی بابرکت ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ پہلا اور آخری قدم نہ ہو، بلکہ آپ آگے ہی بڑھتے چلے جائیں اور مولانا مودودیؒ نے جو کام انجام دیا اس کو آپ اور آگے بڑھائیں۔ ظاہر ہے، مولانا مودودیؒ کی تمام تر عظمت کے باوجود آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے دنیا کے تمام مسائل حل کر دیے، اب کسی بھی مسئلہ پر گفتگو کرنے کی، سوچنے کی، سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے، اب کوئی سوال ہی ہمارے سامنے نہیں رہ گیا ہے۔ یہ تو وہی شخص کہہ سکتا ہے جو دنیا سے بے خبر اور حالات سے ناواقف ہو۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ اس مرکز کو حقیقی معنیٰ میں تحقیقات کا مرکز بنائیے، اپنے کچھ لوگوں کو اس کام کے لیے فارغ کیجیے اور ایسے حوصلہ مند افراد تلاش کیجیے جو اپنی زندگیاں اس کام میں لگائیں اور اس کام کو آگے بڑھائیں۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے۔

انھی چند باتوں پر میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔ آخر میں ایک بار پھر میں جمعیت کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے یہ موقع فراہم کیا۔

☆☆☆

تحریک اسلامی کو درکار علمی وفکری کام اور اس کے لیے مطلوب افراد

۹ رجون ۲۰۱۲ء کو دوپہر بارہ بجے ادارۂ معارف اسلامی کراچی میں تحریک سے وابستہ نوجوان اہلِ علم و دانش سے خطاب اور سوال و جواب

دوستو اور ساتھیو!

ہم اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ آج مغربی فکر دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ گو اس فکر پر تنقید بھی ہوتی رہتی ہے، لیکن اس کو مضبوط بنانے کی کوششیں بھی مسلسل جاری ہیں۔ اس لحاظ سے ہماری کوششیں اگر آپ دیکھیں تو بہت کم ہیں۔ دوسری زبانوں میں ہونے والے کاموں کا تو مجھے زیادہ علم نہیں ہے، لیکن اردو میں جو کچھ کام ہو رہا ہے اس سے آپ بھی واقف ہیں اور میں بھی کسی حد تک واقفیت رکھتا ہوں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے جس طرح کے افراد کی ضرورت ہے وہ ہمیں مل نہیں رہے ہیں۔ ہندوستان ہو یا پاکستان، دونوں جگہوں پر یہی صورت حال ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو یہ کام انجام دینا چاہتے ہیں اور دل و جان سے اس میں لگے ہوئے ہیں۔ علمی کاموں کا معاملہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی وقف کرتا ہے تو اس قابل ہوتا ہے

کہ کسی موضوع پر اطمینان کے ساتھ اظہار خیال کرسکے۔ کبھی کبھی میں کہتا ہوں کہ تصنیف و تالیف مستقل پتہ ماری کا اور بہت ہی صبر آزما کام ہے۔ اس میں کافی وقت لگتا ہے کہ آدمی سوچ سمجھ کر کوئی نقطہ نظر پیش کرے یا کسی موقف کی، دلائل کے ساتھ وکالت کرے۔ اس کے بعد ایک وقت آتا ہے اور وہ بھی لمبے عرصے کے بعد کہ اس کی تحریریں پڑھی جاتی اور اس کے خیالات سنے جاتے ہیں۔ نہ ہر شخص کی تحریر پڑھی جاتی ہے، نہ ہر کسی کے خیالات سنے جاتے ہیں۔

ہم سب اس تجربہ سے گزر چکے ہیں، بلکہ اب بھی گزر رہے ہیں کہ خود ہی لکھتے ہیں اور خود ہی پڑھتے ہیں۔ اس راہ میں ایک طویل عرصہ کے بعد لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ اس موضوع پر اس شخص کو بولنے کا حق ہے۔ تب اس کی تحریریں پڑھتے ہیں اور اس کے خیالات سنتے ہیں۔ ہماری کم زوری یہ ہے کہ ہم اس طرح کی زحمت اور محنت کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس کے لیے جس طرح کی محنت چاہیے، یکسوئی چاہیے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ قربانی چاہیے، وہ ہمارے اندر نہیں ہے۔ ہماری پوری تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے علمی کام کیا انھوں نے اپنی پوری زندگی اس میں لگا دی۔ ان کے لیے دنیا حاصل کرنے اور ترقی پانے کے مواقع تھے، لیکن انھوں نے نظر انداز کردیا۔ ایک موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم جیسے لوگ اگر چاہیں تو بیرونِ ملک ملازمت ، یونی ورسٹی کی پروفیسری یا دوسرے عہدے حاصل کرسکتے ہیں، لیکن ہم نے طے کیا ہے کہ ہندوستان میں رہیں گے اور یہاں جو خدمت کرسکتے ہیں کریں گے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا۔ جب انھوں نے یہ بات کہی تھی تو واقعی وہ اس پوزیشن میں تھے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جنھوں نے علمی کام کیا ہے یا ان کا کوئی کنٹری بیوشن (Contribution) رہا ہے۔ انھوں نے طویل عرصہ تک قربانیاں دی ہیں، تب کہیں جاکر وہ اس مقام تک پہنچے ہیں۔ اب چوں کہ علوم شاخ در شاخ ہوگئے ہیں، اس لیے اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہر علم میں

ایسے محققین پیدا ہوں، جو اپنے علم میں بھی مہارت رکھتے ہوں اور ساتھ ہی اسلام پر بھی ان کی گہری نظر ہو اور ان کی تحریریں پڑھنے سے اندازہ ہو کہ ان کی اپنے شعبے پر بھی گہری نظر ہے اور اسلام کا بھی ان کا وسیع مطالعہ ہے۔ اس طرح کے افراد لمبی مدت کے بعد تیار ہوتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دور حاضر کے علمی تقاضوں کا احساس ہمارے درمیان موجود ہے۔ اگر کچھ افراد اس کے لیے تیار ہوسکے اور جو میدان خالی ہے یا جس شعبے میں تلاش و تحقیق کی ضرورت ہے اس میں قابل ذکر خدمت انجام دے سکے تو آگے کی راہ ہموار ہونے لگے گی۔ جب تک کسی تحریک کی علمی وفکری بنیادیں مضبوط نہ ہوں اس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔اسلام اب تک اس لیے باقی ہے کہ اس کی فکری بنیادیں مضبوط ہیں۔ اس پر اعتراضات کیے گئے تو ان کا جواب دینے والے پائے گئے۔ اب اس دور میں جو خلا محسوس ہورہا ہے اور تمام تر کوششوں کے باوجود وہ پُر نہیں ہوپارہا ہے، اس کو اگر ہم پُر کرنے کی کوشش کرسکیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی بہت بڑے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے اور ان شاء اللہ تحریک اسلامی کو بھی آگے بڑھانے میں مدد ملے گی۔

آپ حضرات اپنے اپنے میدان میں تجربہ اور معلومات رکھتے ہیں۔ آپ خود سوچیں کہ اسلام کو آج کے دور میں کس طرح پیش کیا جائے کہ اس فیلڈ کے ماہرین بھی آپ کی پختگی اور مہارت کو تسلیم کریں اور اسلام کو جاننے والے بھی سمجھیں کہ اسلام کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی ہورہی ہے اور اس میں کوئی غلط بات نہیں آئی ہے۔

[اس مختصر گفتگو کے بعد حاضرین کی طرف سے کچھ سوالات کیے گئے، جن کے محترم امیر جماعت نے جوابات دیے۔ چند منتخب سوالات اور ان کے جوابات ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں]

مولانا مودودیؒ کے بعد ان کے معیار کا علمی کام کیوں نہیں ہو پایا؟

سوال ⟨۱⟩: پاکستان میں ایک عمومی تاثر یہ ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جو

علمی وفکری کام کیا تھا وہ ان کے بعد آگے نہیں بڑھ سکا، اسی سطح پر رک گیا ہے۔ آپ کی گفتگو سے تاثر ملتا ہے کہ ہندوستان میں بھی یہی صورت حال ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مولانا مودودیؒ جیسی شخصیات نمونے کا کام کرتی ہیں۔ آپ اس کی توقع نہیں کرسکتے کہ بہت سے مودودی پیدا ہوجائیں، یا ان کی طرح کا علمی کام کرنے والے بہت سے افراد سامنے آجائیں۔ یہ صحیح ہے کہ مولانا مودودیؒ نے جو علمی کام کیا اس کی بڑی قدر و قیمت ہے، عرصہ تک اس کا وزن محسوس کیا جائے گا، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ یہاں علمی خلا نہیں رہا ہے۔ بعض وہ موضوعات، جن پر مولانا مودودیؒ کو کام کا موقع نہیں ملا، یا وہ صرف ان کی طرف اشارے ہی کرسکے، جماعت کے اہل علم نے ان کو آگے بڑھایا ہے۔ بعض نئے موضوعات بھی اپنائے گئے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ علمی سطح سے اس پورے کام کا ایک معیار نہیں ہے۔ آپ اس میں فرق دیکھیں گے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔

علمی کام انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر؟

سوال 〈۲〉: کیا یہ علمی و تحقیقی کوششیں انفرادی طور پر ہی ہوتی رہیں گی، یا ادارۂ معارف اسلامی اور اس جیسے دیگر ادارے اس کو منظّم انداز میں آگے بڑھا سکتے ہیں؟ یہ بات کہ لکھنے والے اب نہیں رہے تو کیا ان اداروں کے ذریعے لکھنے والے افراد کو ایک جگہ جمع کرکے کام کو آگے نہیں بڑھایا جاسکتا؟

جواب: کام تو اصلاً فرد ہی کرتا ہے، ادارے اس میں معاون ہوتے ہیں۔ اداروں کا کام ہے کہ ایسے افراد کو جوڑیں اور ان کے کچھ مسائل یا دشواریاں ہوں تو انہیں حل کرنے کی کوشش کریں۔ ہم ادارۂ معارف اسلامی کو بھی یہی مشورہ دیں گے اور اس نوعیت کے دیگر اداروں کو بھی کہ جن افراد کے اندر یہ جذبہ ہے کہ وہ اسلام کی علمی وفکری خدمت کریں، ان کے مسائل کو دیکھیں اور انھیں حل کرنے کی کوشش کریں۔

انفرادی طور پر جو کام ہوتے ہیں اور اجتماعی طور پر جو کوششیں انجام دی جاتی ہیں ان میں بہ ہر حال فرق ہوتا ہے۔ اجتماعی کوششیں ان کمیوں کو دور کرتی ہیں جو انفرادی کوششوں میں رہ جاتی ہیں۔ اگر ادارہ ہو، لیکن افراد ہی نہ ہوں تو کوئی کام نہیں ہوسکتا اور افراد ہوں، لیکن ان کے مسائل حل نہ ہوں تو بھی کام رک جائے گا۔ دونوں کے تعاون کے ساتھ ہی بہتر طریقے سے کام انجام پاسکتا ہے۔ یونی ورسٹیوں میں اس طرح کا ماحول کسی قدر پایا جاتا ہے۔ وہاں جب کسی شخص کی ریسرچ کا مرحلہ آتا ہے تو یونی ورسٹی اس کی مدد کرتی ہے۔ علمی وفکری مدد بھی اور مالی مدد بھی۔ اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یونی ورسٹیوں کا معیار تحقیق بہت بلند ہے اور بہت اعلیٰ کام انجام پاتا ہے لیکن طریقہ کار صحیح ہے۔ یہی طریقہ اداروں کو بھی اختیار کرنا چاہیے۔ اگر کچھ افراد ہمارے یہاں تیار ہوں تو اداروں کو چاہیے کہ ان کا ہر طرح تعاون کریں، ان کے لیے سہولتیں اور مواقع فراہم کریں۔ اس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ ہمارے درمیان ایسے افراد بھی مل جائیں گے کہ انھوں نے کوئی تحقیق کی، لیکن اس کی اشاعت ہی کی نوبت نہیں آئی۔ اس کا انتظام ادارے کرسکتے ہیں۔ بہ ہر حال دونوں کے تعاون ہی سے یہ کام انجام پاسکتے ہیں۔

کیا مشرق میں اجتماعی طور پر کام کا رجحان نہیں ہے؟

سوال ⟨۳⟩: مغرب میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں بڑے کام اداروں کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔ چاہے سائنس میں ہو، کلچر میں ہو یا کسی اور میدان میں، جب کہ ہمارے یہاں جو بھی کام ہوا ہے وہ انفرادی طور پر ہوا ہے، چاہے وہ مولانا مودودیؒ کے ذریعہ ہوا ہو یا مولانا امین احسن اصلاحیؒ، یا دیگر حضرات کے ذریعے۔ اسی وجہ سے ہمارے یہاں منظّم اور منصوبہ بند طریقے سے علمی کام انجام نہیں دیا جاسکا ہے؟

جواب: آپ کی بات صحیح ہے کہ مغرب میں ادارے قائم کرنے اور ان کے ذریعے کام انجام دینے کا رجحان زیادہ ہے۔ ہمارے یہاں اداروں کے ذریعے کوششیں کم ہوئی

ہیں۔ لیکن بہ ہر حال جب تک ہمارے یہاں ادارے نہ ہوں تب تک افراد ہی کو کام کرنا ہوگا۔ افراد کے کام کرنے کی راہ میں مشکلات ہیں اور ہمارے ادارے بھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ بڑے پیمانے پر افراد کی سرپرستی کرسکیں، لیکن ممکنہ اشتراک سے کام آگے بڑھ سکتا ہے۔ ماضی میں بعض ادارے ایسے رہے ہیں جن سے اہم علمی کام انجام پایا ہے، خواہ وہ تحریکی کام نہ ہو، بہ ہر حال علمی کام ہے اور معیاری ہے۔ پاکستان میں بھی اس طرح کے متعدد ادارے ہیں۔ بہ طور مثال ہندوستان میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس کی خدمات کا زیادہ ذکر نہیں ہوتا، لیکن کسی زمانے میں اس سے مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالسلام ندویؒ جیسی شخصیات وابستہ تھیں۔ اور بھی بہت سی علمی شخصیات اس سے متعلق رہی ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہوگا کہ مولانا مودودیؒ کی پہلی کتاب 'الجہاد فی الاسلام' سب سے پہلے اسی ادارے سے شائع ہوئی تھی۔ اس طرح کے اور بھی ادارے ہیں، جو فکر اسلامی کی ترجمانی کررہے ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے ذاتی طور پر بھی کام کیا اور ادارے بھی قائم کرنے کی کوشش کی۔ یہ ادارہ (ادارۂ معارف اسلامی کراچی) بھی انہی کا قائم کردہ ہے۔ اب اس ادارہ کو آپ کتنا مفید بناتے ہیں اور اس سے کتنا کام لیتے ہیں، یہ آپ کی کوششوں پر منحصر ہے۔

علمی وفکری روایت کے کم زور پڑنے کی وجوہ

سوال ‹۴›: ہماری علمی وفکری روایت کیوں کم زور ہوئی ہے؟ جب تک اس کی وجوہات طے نہیں کی جائیں گی اس وقت تک اس کا تدارک نہیں ہوسکتا۔ کیا ہمارا مزاج تبدیل ہوگیا ہے؟ یا ہماری توجہ ہٹ گئی ہے؟ یا ہم پڑھنے لکھنے والے افراد کو اپیل نہیں کرپارہے ہیں؟ یا ہمارے اندر کوئی پڑھنے لکھنے پر آمادہ نہیں ہے؟

جواب: اس کے اسباب مختلف ہوسکتے ہیں۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہماری تحریریں اتنی جان دار نہیں ہوتیں جتنی مولانا مودودیؒ کی ہوتی تھیں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں

کہ ہمارے یہاں پڑھنے لکھنے کا رجحان کم ہوگیا ہے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ کوئی کام ہی نہیں ہورہا ہے۔ مولانا مودودیؒ تحریک اسلامی کے بانی اور قائد تھے۔ ان سے وابستگانِ تحریک کو جو عقیدت ہے وہ ہر ایک سے نہیں ہوسکتی۔ اس کے باوجود جماعت اسلامی میں مولانا مودودیؒ کے علاوہ دیگر اصحاب علم نے بھی جو فکری خدمات انجام دی ہیں ان کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ علمی دنیا میں ان کا بہ ہرحال اعتبار ہے۔ بات صرف اس علمی روایت کو آگے بڑھانے کی ہے۔ اس کی فکر ہونی چاہیے۔ آپ کی تحریریں مواد اور پیش کش کے لحاظ سے پرکشش ہوں گی تو وہ خود آہستہ آہستہ اپنی جگہ بنالیں گی۔

موجودہ دور میں کن موضوعات پر تحقیق کی جائے؟

سوال ‹۵›: آج کن موضوعات پر کام کرنے کی ضرورت ہے؟

جواب: مغرب میں، کوئی موضوع ایسا نہیں جس پر کام نہ ہوا ہو۔ آدمی کو جس موضوع سے بھی دل چسپی ہو اور وہ مغربی فکر کو جاننا چاہے تو جان سکتا ہے۔ اس نے اپنے طور پر ثابت کردیا کہ انسان کو خدا پر ایمان کی ضرورت نہیں ہے، وہ آسمانی ہدایت کا محتاج نہیں ہے، وہ اپنی عقل، تجربہ اور قیاس سے فائدہ اٹھاکر زندگی کی راہ تلاش کرسکتا ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں آپ کو خدا کے وجود، اس کی ہدایت کی ضرورت اور انسانی ذرائع علم کا ناکافی ہونا دلائل سے ثابت کرنا ہے۔ آپ کو جس موضوع سے بھی دل چسپی ہو اور جس میں بھی آپ نے مہارت حاصل کی ہو، اسلام کا بھی اسی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں اور مغرب کی تحقیق کے مقابلہ میں اپنے نتائج تحقیق اسلامی نقطۂ نظر سے پیش کریں۔ آپ میں سے کسی کو سوشل سائنسز سے دل چسپی ہوگی، کوئی فزیکل سائنس کا آدمی ہوگا۔ کوئی بھی شخص اپنی لائن متعین کرسکتا ہے اور اس پر کام کرسکتا ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ ہمارے یہاں سماجی علوم میں بعض موضوعات پر کسی قدر کام ہوا ہے، بعض موضوعات پر نہیں ہوا ہے۔ مثلاً معاشیات پر ہمارے حلقے میں خاصا کام ہوا ہے، ایسا کام، جسے معیاری تسلیم کیا گیا ہے، لیکن بعض دیگر موضوعات پر کام نہیں ہوا ہے۔

جدید موضوعات پر کام کرنے کی ضرورت

سوال 〈۶〉: مولانا مودودیؒ نے اپنے زمانے کے جدید موضوعات پر کام کیا اور ان کے سلسلے میں اسلام کی رہ نمائی فراہم کی۔ آج ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روایتی موضوعات پر تو کام ہورہا ہے، لیکن موجودہ زمانے کے جدید موضوعات پر کام نہیں ہورہا ہے۔

جواب: دیکھیے، اگر آپ کوئی کمی محسوس کررہے ہیں تو ہماری اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے زمانے میں جو علمی کام کیا اس کی قدر و قیمت تسلیم کرنے کے باجود اس بات کا امکان ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس میں پیش کردہ کچھ معلومات پرانی ہوگئی ہوں۔ میں ایک مثال دیتا ہوں مولانا مودودیؒ نے ضبط ولادت پر ایک مختصر سا رسالہ لکھا تھا، پروفیسر خورشید احمد نے بعد میں اس میں جدید معلومات کا اضافہ کیا۔ اب اس سے آگے بھی بعض مسائل کھڑے ہوگئے ہیں۔ علمی میدان میں کوئی بھی چیز کہیں جاکر رک نہیں جاتی۔ آج دنیا جس تیزی سے بدل رہی ہے، اس میں تو بڑی تبدیلی آرہی ہے۔ اس لیے یہ احساس تو صحیح ہے کہ آج جو کام ہورہا ہے اس سے جدید تقاضے پورے نہیں ہورہے ہیں، البتہ سوچنے کی چیز یہ ہے کہ اس کام کو ہم بہتر طریقے پر کیسے انجام دے سکتے ہیں اور اس میں ہمارا کیا کنٹری بیوشن(Contribution) ہوسکتا ہے؟

علمی کاموں کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی تدابیر

سوال 〈۷〉: مغرب میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اس کا بڑے پیمانے پر اشتہار ہوتا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے نوجوانوں اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے جو کچھ لکھا اس نے اگرچہ بہت سے لوگوں کو متاثر کیا، لیکن زیادہ بڑے پیمانے پر اس کی پبلسٹی نہیں ہوسکی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج جماعت اسلامی کے کرنے کا کام یہ ہے کہ اس کے پاس جو علمی اثاثہ ہے وہ مغربی دنیا تک بھی پہنچے اور پاکستان اور ہندوستان میں بھی جہاں جہاں وہ نہیں پہنچ سکا

ہے وہاں پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں؟

جواب: مغرب کا معاملہ یہ ہے کہ وہاں کوئی چیز آتی ہے تو مختلف وسائل و ذرائع سے بڑے پیمانے پر اس کا اشتہار و اعلان ہوتا ہے، لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ یہ مزاج ہمارے یہاں نہیں ہے۔ اس لیے کوئی تحریر، خواہ وہ مولانا مودودیؒ کی ہو یا کسی اور کی، زیادہ بڑے پیمانے پر پڑھی نہیں جاتی۔ اب یہ ہمارے سوچنے کی چیز ہے کہ اگر کوئی ایسی تحریر ہے، جسے مغرب تک پہنچنا چاہیے تو اس کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ یہ بات صحیح ہے کہ مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے ایک خاص طبقہ متاثر ہوا، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہر حلقہ میں پہنچ گئیں۔ آپ کے اور ہمارے سوچنے کی چیز یہ ہے کہ جہاں وہ نہیں پہنچ سکی ہیں وہاں پہنچانے کی کیا تدبیر اختیار کریں۔ اس کے ساتھ اس واقعہ کو بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ ہمارے یہاں جب بھی علمی و فکری کام کی بات آتی ہے تو مولانا مودودیؒ ہی کی شخصیت سامنے آتی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ مولانا مودودیؒ نے بڑا کام کیا ہے، ان کی عظیم خدمات ہیں، انھوں نے راہ دکھائی ہے، لیکن ان کی رسائی، جیسا کہ عرض کیا گیا، ایک خاص طبقے تک رہی ہے۔ مولانا مودودیؒ کے علاوہ دوسرے لوگوں کی تحریریں بھی ہوسکتی ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ انھیں غیر مسلم دنیا تک کیسے پہنچایا جائے؟

میڈیا میں تحریک اسلامی کا نفوذ

سوال ‹۸›: ایک احساس ہوتا ہے کہ میڈیا اور ذرائع ابلاغ میں اسلامی تحریکوں کا نفوذ بہت معمولی ہے، جب کہ اس کی غیر معمولی اہمیت سے ہم انکار نہیں کرسکتے۔

جواب: میڈیا ایک بڑی طاقت ہے۔ آج لوگوں کا ذہن بنانے میں تصنیفات و تالیفات سے زیادہ میڈیا کا حصہ ہوگیا ہے، لیکن اس میدان میں ہمارا اپروچ نہیں ہے۔ پاکستان میں کیا صورت حال ہے، اس کا مجھے علم نہیں ہے۔ ہندوستان میں ہم نے کوشش کی تھی کہ ہمارا کوئی چینل ہو۔ اس میں ابھی ہم کامیاب نہیں ہوسکے ہیں۔ البتہ

جماعت اسلامی کیرلا نے کوشش کرکے اپنے چینل کی اجازت حاصل کرلی ہے۔ ان شاء اللہ جلد وہ کام کرنے لگے گا۔ یہ چینل ملیالم زبان میں ہوگا۔ مرکز جماعت میں ہم اس بات کی کوشش کررہے ہیں کہ ہمارا کوئی میڈیا ہاؤس ہو، جہاں ہم کچھ چیزیں تیار کرکے دوسروں کو فراہم کرسکیں۔ اس کام میں ہم لگے ہوئے ہیں۔ان شاء اللہ جلد اس کی کوئی صورت سامنے آئے گی۔

تحریک اسلامی کا علمی کام مختلف زبانوں میں

سوال ﴿۹﴾: میری معلومات کی حد تک ہندوستان میں اسلامی تحریک کا تمام کام اردو زبان میں ہے، دوسری زبانوں میں ہمارا کام نہیں ہے۔اس وجہ سے کیا ایسا نہیں لگتا کہ ہم حاشیہ پر چلے گئے ہیں اور دوسری زبان بولنے والوں سے ہمارا رابطہ نہیں ہے اور ہم ان میں تحریک کا کام نہیں کرپارہے ہیں۔

جواب: آپ کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ہمارا تمام کام اردو زبان میں ہے۔ ہندوستان کی جتنی بڑی ریاستیں ہیں، ان میں جو زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں ہمارا لٹریچر موجود ہے۔جو کتابیں اردو میں تیار کی گئی ہیں انھیں ان زبانوں میں منتقل کیا جارہا ہے۔ قرآن کریم کا ترجمہ ان زبانوں میں کیا گیا ہے،احادیث کے مجموعے تیار کیے گئے ہیں۔ ملیالم، کنڑ، بنگلہ، تمل، مراٹھی اور دیگر علاقائی زبانوں میں بڑی تعداد میں ہم نے اپنے لٹریچر کا ترجمہ کردیا ہے اور ان زبانوں میں طبع زاد کتابیں بھی شائع ہورہی ہیں۔

☆☆☆

ہندوستانی مسلمانوں کی دینی شناخت

۱۲/جون ۲۰۱۲ء کی شب میں مرکز جماعت اسلامی پاکستان، منصورہ، لاہور میں الوداعی عشائیہ کے موقع پر معززین شہر لاہور سے خطاب۔

میں اسے اپنے لیے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ اتنے نمایاں افراد سے بہ یک وقت ملاقات کا اللہ تعالیٰ نے موقع عنایت فرمایا۔ اس کے لیے میں جماعت اسلامی پاکستان اور خاص طور سے جماعت اسلامی شہر لاہور کا شکر گزار ہوں۔ یہ مجمع، جس میں نمایاں سیاست داں بھی موجود ہیں اور دانش ور بھی، علمائے امت بھی ہیں اور صحافی بھی، ان کے سامنے کوئی نئی بات شاید آسانی سے نہیں کہی جاسکتی۔

اسلام بین الاقوامیت کا علم بردار ہے

اس وقت میں ایک مسئلہ کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ایسے مواقع کم ملتے ہیں جہاں اتنے دانش ور، اہلِ علم اور غور وفکر کرنے والے اصحاب جمع ہوں۔

اس وقت دنیا میں بہت سی قومیں موجود ہیں۔ قومیت کا تصور بہت محدود تصور ہے۔ اس کے نقصانات بھی واضح ہیں۔ آج کی دنیا میں بین الاقوامیت کا چرچا تو ہے،

لیکن قومیت ہی کے تصور کی ہر جگہ حکم رانی ہے اور حالات کچھ ایسے پیدا ہوگئے ہیں کہ ہر قوم اپنے بارے میں سوچتی ہے۔ جو ملک بھی سوچتا ہے، اپنے ہی بارے میں سوچتا ہے۔ اپنے تحفظ کے بارے میں، اپنی ترقی کے بارے میں اور بین الاقوامی سطح پر اپنا وزن بڑھانے کے سلسلے میں۔ ہر ملک، ہر قوم اور ہر فرد اپنے انداز سے سوچتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم ممالک کا کوئی فرق میرے خیال میں نہیں ہے، سب پر قومیت چھائی ہوئی ہے۔ لیکن ایک احساس یہ ہوتا ہے کہ اسلام نے جو بین الاقوامی تصور دیا تھا وہ اس سے مجروح ہورہا ہے۔ اسلام کی ساری تعلیمات کی اساس یہ ہے کہ انسان چاہے مشرق کا ہو یا مغرب کا، شمال کا ہو یا جنوب کا، گورا ہو یا کالا، انگریزی بولتا ہو یا عربی، اردو بولتا ہو یا ہندی، سب خدا کے بندے ہیں۔ اس کا خطاب عمومی انداز میں ہوتا ہے: یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ (لوگو اپنے رب کی عبادت کرو) یہی بنیاد تھی اس کے آفاقی تصور کی، جس کی وجہ سے وہ ساری دنیا میں پھیلا۔ وہ کہیں بھی اجنبی نہیں رہا۔ وہ جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر افریقہ میں گیا، ایران اور روم و شام میں پہنچا اور بڑی تیزی سے پوری دنیا میں پھیلتا چلا گیا۔ اس کا خطاب چونکہ عام تھا، اس لیے ہر ملک، ہر گروہ اور ہر خطہ یہ محسوس کررہا تھا کہ اس کا مخاطب میں ہوں۔ بین الاقوامیت کا اتنا وسیع تصور دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ لیکن آج وہ تصور میرے خیال میں مدھم پڑگیا ہے۔ آج ہر ملک اپنے حالات میں گرفتار ہے اور اسی کے بارے میں سوچتا ہے۔ اسلام کی یہ جو خوبی تھی کہ اس نے ہر انسان کو، چاہے وہ جس خطے کا ہو، خدا کے بندے کی حیثیت سے دیکھا اور اس کے مسائل کو حل کیا، اسے آج فراموش کردیا گیا ہے۔ اس بات کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہم سب سوچیں کہ اسلام کی اس بین الاقوامیت کو دوبارہ کیسے بحال کیا جائے۔ اس کے لیے ہمیں شاید کچھ قربانیاں دینی ہوں گی۔ دنیا کے سامنے یہ بات آنی چاہیے کہ چاہے مسئلہ پاکستان کا ہو یا امریکہ کا، چین کا ہو یا روس کا، سب کے لیے اسلام ایک نعمت ہے۔ اس پر انہیں غور کرنا چاہیے۔ اس کے بغیر کسی بھی ملک کی کامیابی ممکن نہیں

ہے، بلکہ کسی بھی فرد کی کامیابی ممکن نہیں ہے۔ اسلام ہمارے سامنے اسی تصور کے ساتھ آتا ہے کہ فلاح و کامیابی اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ افسوس کہ ہم اپنے مسائل میں اس طرح گھر گئے ہیں کہ اسلام کا بین الاقوامی رخ مجروح ہوگیا ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ شاید ہم اس کے بارے میں سوچتے بھی نہیں ہیں کہ کتنی بڑی چیز ہم نے کھودی ہے۔ بہر حال میں چاہتا ہوں کہ اس طرح کی مجلس میں یہ بات آئے۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے کہ قرآن و حدیث کے حوالے سے اس پر بات کی جائے۔ بہ ہرحال اس کی کوئی تحریک ہونی چاہیے اور پوری دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ بین الاقوامیت کا اگر کہیں وسیع تصور پایا جاتا ہے تو وہ اسلام کے اندر پایا جاتا ہے۔

اسلامی کردار مطلوب ہے

دوسری بات میں یہ کہوں گا کہ ہمارے اندر ایک کم زوری یہ ہے کہ ہم اسلام کو اللہ کا دین کہتے ہیں اور اگر کوئی شخص اس سے انکار کرے تو شاید ہم اس سے لڑ پڑیں، لیکن اس کے آثار ہماری زندگی میں نظر نہیں آتے۔ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام پر ہم ٹھیک ٹھیک عمل کررہے ہیں۔ ہمارا عقیدہ وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ ہم عبادات کے اسی طرح پابند ہیں جس طرح اسلام نے حکم دیا ہے۔ اخلاق کا جو درس قرآن نے دیا ہے اس کے عین مطابق ہم نے اسے اختیار کر رکھا ہے۔ ہماری معیشت اس کے تابع ہے، ہماری معاشرت اس کے مطابق ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہمارے اندر ایک طرح کی کمی ہے۔ بے عملی کا لفظ استعمال کرتے ہوئے ڈرلگتا ہے، بہر حال کوتاہی ضرور ہے اور اس کوتاہی کی وجہ سے اسلام کو غلط رخ سے دیکھا جاتا ہے۔ لوگ دیکھیں گے اور کہیں گے کہ جب آپ کہتے ہیں کہ اسلام خدا کا دین ہے اور اس سے ہماری فلاح وابستہ ہے تو وہ آپ کی زندگی میں کیوں نظر نہیں آتا؟

ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب

اس طرح کے موقع پر دوستوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ہندوستان کے بارے میں کوئی بات بتائی جائے، لیکن آج کے انفارمیشن کے دور میں اس کی بھی بہت زیادہ اہمیت نہیں رہ گئی ہے۔ آپ حضرات جس طرح اپنے ملک کے حالات سے واقف ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ کم و بیش اپنے پڑوسی ملک ہندوستان کے حالات سے بھی اسی طرح باخبر ہوں گے۔ پھر بھی دو ایک باتوں کی طرف میں اشارہ کروں گا۔

ہم سب جانتے ہیں کہ ہندوستان، چین کے بعد آبادی کے لحاظ سے دوسرا سب سے بڑا ملک ہے۔ ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے اس کی آبادی ایک سو چھبیس (۱۲۶) کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔ اس میں مسلمان مردم شماری کے لحاظ سے تقریباً پندرہ (۱۵) کروڑ ہیں، لیکن وہاں کے مسلمانوں کا اندازہ یہ ہے کہ ان کی آبادی کا تناسب اس سے زیادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انڈونیشیا کے بعد مسلم آبادی کا سب سے بڑا مرکز ہندوستان ہے۔ اس کے ساتھ اس کے کچھ مسائل بھی ہیں۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ اتنی بڑی آبادی اتنے بڑے ملک میں بکھری ہوئی ہے۔ اس کی آبادی کسی ریاست میں بتیس (۳۲) فی صد ہے، جیسے آسام میں۔ کہیں چھبیس (۲۶) ستائیس (۲۷) فی صد ہے، جیسے بنگال میں۔ کہیں پچیس (۲۵) فی صد ہے، جیسے کیرالہ میں۔ لیکن بہت سی ریاستیں ایسی بھی ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی بہت تھوڑی ہے، جیسے پنجاب۔ وہاں صرف ایک علاقے (مالیرکوٹلہ) میں مسلمان آباد ہیں۔ ان کی آبادی اس ریاست میں بمشکل دو (۲) فی صد ہے۔ ہریانہ میں ان کی آبادی وہاں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہے۔ ایسے ہی وہاں کی ایک ریاست اڑیسہ ہے، جہاں مسلمانوں کا تناسب صرف دو (۲) فی صد ہے۔ مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی اترپردیش میں ہے اور خاص طور سے مغربی اترپردیش میں، لیکن اس کے باوجود وہاں ان کا تناسب صرف اٹھارہ (۱۸) فی صد ہے، جب کہ وہاں مسلمانوں کی جتنی آبادی ہے اتنی کئی ریاستوں میں بھی شاید نہیں ہے۔ یہی حال

مہاراشٹر، آندھرا پردیش اور کرناٹک وغیرہ کا بھی ہے، جہاں دس (۱۰) فی صد، گیارہ (۱۱) فی صد، بارہ (۱۲) فی صد مسلمان ہیں۔

مسلمانوں کے موجودہ حالات

ہندوستانی مسلمانوں کے جہاں اور مسائل ہیں وہیں سیاسی مسائل بھی ہیں۔ وہ کہیں بھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اپنے بل پر سیاست میں کوئی تبدیلی لاسکیں۔ بہرحال یہ اللہ کا کرم ہے کہ مسلمان ہندوستان میں بڑے نازک حالات سے گزرتے رہے، لیکن عزم و ہمت اور حوصلے کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور مختلف میدانوں میں بہتر خدمات بھی انجام دیں۔ وہاں مسلمانوں کے بڑے بڑے تعلیمی ادارے پہلے سے موجود تھے۔ تقسیم ملک کے بعد کافی نئے ادارے خاص طور پر جنوبی ہند میں وجود میں آئے ہیں۔ دینی اداروں کا مرکز پہلے بھی شمالی ہند تھا، اب بھی ہے۔ اور جدید تعلیم کے بڑے ادارے، جیسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، سب شمالی ہند میں قریب قریب ایک ہی علاقے میں موجود ہیں۔

جماعت اسلامی ہند کا کام

اسی طرح مسلمانوں کی مختلف تنظیمیں موجود ہیں۔ ان میں جماعت اسلامی کو اللہ کے فضل اور آپ حضرات کی دعاؤں سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ وہاں کی تمام بڑی ریاستوں میں موجود ہے۔ 'بڑی ریاستوں' کا لفظ میں اس لیے استعمال کررہا ہوں کہ ہندوستان کے شمال مشرق میں کچھ چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی ہیں، جو سیاسی مصالح کے تحت وجود میں آئی ہیں، جیسے ناگالینڈ، میزورم وغیرہ۔ وہاں مسلمانوں کی آبادی نہیں ہے۔ اس سے ہٹ کر ہندوستان کی کوئی بڑی ریاست ایسی نہیں ہے جہاں جماعت اسلامی کا کام نہ ہو۔ جیسے اترپردیش، راجستھان، مدھیہ پردیش، اور نیچے جایئے تو مہاراشٹر، گجرات، کرناٹک، تمل ناڈو اور کیرلا وغیرہ۔ اس طرح کی جتنی بڑی ریاستیں ہیں

ان میں نہ صرف یہ کہ جماعت اسلامی کے دفاتر موجود ہیں، بلکہ ان کا پریس موجود ہے، ان کا میڈیا موجود ہے اور ان کے افراد موجود ہیں۔ کہیں کم، کہیں زیادہ۔ الحمدللہ وہ سب ایک نظم کے تحت خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مسلمانوں کی دیگر تنظیمیں اور جماعت اسلامی کا ان سے تعلق

مسلمانوں کی ایک بڑی تنظیم جمعیۃ علمائے ہند ہے۔ خاص طور پر دینی مدارس پر اس کا اثر ہے۔ اہلِ حدیث حضرات کی بھی وہاں خاصی تعداد موجود ہے۔ اسی طرح ملی کونسل کے نام سے بھی ایک تنظیم کام کر رہی ہے۔ جماعت اسلامی ہند اس بات کی کوشش کرتی رہی ہے کہ ان تنظیموں کے درمیان اشتراک ہو اور یہ ایک دوسرے سے قریب آئیں۔ اگر ماضی میں ان کے درمیان کچھ شکایتیں رہی بھی ہوں تو ان کو فراموش کر کے اپنے مشترک مسائل کو لے کر وہ آگے بڑھیں۔ الحمدللہ اس میں جماعت کو بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ جمعیۃ العلماء، جو بہرحال دیوبند کے زیر اثر ہے، ماضی میں جماعت سے اس کی دوری رہی ہے، لیکن اِس وقت صورت حال یہ ہے کہ ان کے جتنے عوامی پروگرام ہوتے ہیں ان میں وہ جماعت اسلامی کا تعاون چاہتے ہیں اور ہم بھی ان کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ اہلِ حدیث حضرات کے ساتھ بھی ہمارے اچھے تعلقات ہیں۔ وہ بھی اپنا کوئی پروگرام ایسا نہیں کرتے جس میں جماعت اسلامی کو یاد نہ کرتے ہوں۔ ملی کونسل نئی تنظیم ہے، لیکن بہرحال اس کے بھی اثرات ہیں اور اس کے ساتھ بھی ہمارا اشتراک ہے۔ مسلمانوں کی بعض وہ تنظیمیں بھی ہیں جو کسی متعین مقصد کے لیے وجود میں آئیں۔ انھیں ہم مشترکہ پلیٹ فارم بھی کہہ سکتے ہیں، جیسے مسلم پرسنل لابورڈ۔ اس میں مختلف افراد اور مختلف تنظیمیں شریک ہیں۔ جماعت اسلامی شروع سے اس میں شریک رہی ہے۔ اتفاق سے اس وقت اس کے نائب صدور میں میرا نام بھی شامل ہے۔ اس طرح اس تنظیم سے بھی ہمارا براہ راست اشتراک ہے اور

ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں جہاں بہت سے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں اس پلیٹ فارم کے ذریعے مشترکہ طور پر انھیں حل کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ اسی طرح وہاں فرقہ وارانہ فسادات کے پس منظر میں کافی پہلے مسلم مجلس مشاورت قائم ہوئی تھی، تاکہ امت کے اندر اتحاد و اتفاق پیدا ہو اور فرقہ وارانہ فسادات نہ ہوں۔ یہ تنظیم بھی کام کررہی ہے، لیکن بدقسمتی سے اس کے دو گروپ ہوگئے ہیں۔ ویسے تو ہمارا ضابطہ کا تعلق ان میں سے ایک گروپ سے ہے، لیکن دوسرے گروپ سے بھی ہمارے تعلقات اچھے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ دونوں گروپ پھر ایک ہوجائیں اور امت کے جو مشترک مسائل ہیں، خاص طور سے سیاسی مسائل، ان کو حل کرنے کی مشترکہ طور پر کوشش کی جائے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن

سیاسی سطح پر مسلمانوں کی کوئی تنظیم نہیں ہے۔ اس وقت اس کا موقع نہیں ہے کہ اس کے اسباب بیان کیے جائیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی کوئی بڑی تنظیم ہندوستان میں سیاسی سطح پر نہیں ہے۔اس کی ایک تو وجہ یہی ہے کہ بہت کم ایسے حلقے ہیں، جہاں مسلمان اپنے ووٹ سے کامیاب ہوسکیں۔ مشکل سے دس، پندرہ حلقے ایسے ہیں جہاں مسلمان اگر متحد ہوجائیں تو اپنے ووٹ سے کامیاب ہوسکتے ہیں۔ دو حلقے کیرالہ میں اور دو آسام میں ہیں، اسی طرح میں بہار اور آندھرا پردیش میں اس طرح کے دو ایک حلقے ہوسکتے ہیں۔ اترپردیش جیسے بڑے صوبے میں، جہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد رہتی ہے، کوئی حلقہ ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان اپنے ووٹ سے کامیاب ہوسکیں۔مسلمانوں کی جو سیاسی تنظیمیں ہیں، جیسے مسلم لیگ، اس کا دائرہ صرف کیرلا تک محدود ہے۔ وہاں وہ ایک طاقت ہے اور اس کا وہ حصہ، جسے قدیم زمانے میں مالابار کہا جاتا تھا، اس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہیں سے پارلیمنٹ میں ان کے دو ممبر جاتے ہیں اور اسمبلی میں سترہ (۱۷) سے بیس (۲۰) تک ان کے ممبران ہوتے ہیں۔

کیرالا کی اسمبلی چونکہ چھوٹی ہے، اس لیے اس پارٹی کی اہمیت بہر حال رہتی ہے۔ آندھراپردیش میں مسلمانوں کی ایک سیاسی پارٹی اتحادالمسلمین کے نام سے ہے، لیکن اس کا دائرہ صرف حیدرآباد تک محدود ہے۔ وہاں سے پارلیمنٹ میں اس کے صدر اویسی صاحب پہنچ جاتے ہیں، البتہ اسمبلی میں اس کی پانچ چھ سیٹیں نکل آتی ہیں۔اس لحاظ سے مسلمانوں کی کوئی قابلِ ذکر سیاسی تنظیم نہیں ہے۔ ایک زمانے میں سید شہاب الدین صاحب کی سرپرستی میں انصاف پارٹی قائم ہوئی تھی، لیکن وہ کامیاب نہیں ہوسکی۔

غیرمسلم پارٹیاں جو سیکولر کہلاتی ہیں، ان کی بھی ضرورت ہے کہ ان میں مسلمان ہوں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جتنی بڑی سیاسی پارٹیاں ہیں، سب میں مسلمان ہیں۔ کانگریس میں ہیں، حتیٰ کہ بھارتیہ جنتا پارٹی (B.J.P.) میں بھی ہیں۔ اور علاقائی پارٹیوں میں بھی ہیں، جیسے سماج وادی پارٹی (S.P.) جس کے سربراہ ملائم سنگھ ہیں، اس میں کافی مسلمان ہیں۔ اس بار تو مسلمانوں کی مدد سے اُس پارٹی کی اترپردیش میں حکومت بنی ہے۔اس سے پہلے مایاوتی کی بہوجن سماج پارٹی (B.S.P.) کی حکومت تھی، اس میں بھی مسلمان ہیں۔ ایسے ہی ریجنل سطح پر بہت سی پارٹیاں ہیں، ان سب میں مسلمان موجود ہیں۔ ان پارٹیوں میں شامل ہوکر وہ مسلمانوں کی بھلائی کا کام کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال

بہرحال ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے مشکلات بھی ہیں اور مسائل بھی۔ وہ منتشر بھی ہیں۔ تعلیمی اور معاشی لحاظ سے وہ اتنے مضبوط نہیں ہیں جتنا ان کو ہونا چاہیے، بلکہ پیچھے ہیں۔ اس کے باوجود خوشی کی بات یہ ہے کہ اگر تقسیم کے بعد کے ابتدائی دور کو نظرانداز کردیا جائے تو آپ محسوس کریں گے کہ مسلمانوں نے وہاں بڑے تعمیری کام بھی کیے ہیں۔ خاص طور سے جنوبی ہند میں انھوں نے جدید تعلیم کے کافی ادارے قائم کیے

ہیں۔ ان میں انجینئرنگ اور میڈیکل کے ادارے بھی شامل ہیں، بلکہ بعض ریاستوں میں تو صورت حال یہ ہے کہ ان کو اپنے ان اداروں میں غیر مسلموں کو بھی داخلہ دینا پڑتا ہے۔ شمالی ہند میں اس طرح کی صورت حال تو نہیں ہے، لیکن وہاں کے دینی ادارے کافی مضبوط ہیں۔ اب بھی برصغیر میں دینی تعلیم کے سب سے بڑے ادارے شمالی ہند ہی میں ہیں، جیسے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ شاہی مراد آباد، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ۔ اترپردیش میں تو آج بھی قدم قدم پر دینی مدارس موجود ہیں۔ ایک بڑا دینی مدرسہ اعظم گڑھ میں جامعۃ الفلاح ہے، جو جماعت کے زیر اثر ہے۔ میرا اس سے تعلق ہے۔ وہ اپنے پچاس سال پورے کررہا ہے۔ اس طرح جہاں تک دینی مدارس کا تعلق ہے، یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہندوستان میں اب بھی بڑے بڑے ادارے موجود ہیں، جو دین کی حفاظت کا کام انجام دے رہے ہیں اور عوام پر ان کے اثرات بھی ہیں۔

بہر حال اتنے بڑے ملک کے کچھ مسائل اور پیچیدگیاں بھی ہیں۔ ان سب پر تفصیلی گفتگو کے لیے میرا خیال ہے، یہ موقع نہیں۔ کچھ باتیں جو ذہن میں آئیں، میں نے آپ کے سامنے رکھ دیں، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ باتیں آپ کے لیے نئی نہیں ہوں گی، بلکہ آپ اس سے زیادہ معلومات رکھتے ہوں گے۔ آج کے دور میں معلومات بڑی آسانی سے حاصل ہوجاتی ہیں۔

بہرحال کچھ مختصر سی باتیں اس وقت میں نے آپ حضرات کے سامنے رکھی ہیں۔ امید ہے کہ آپ مزید غور کریں گے۔ آخر میں جماعت اسلامی پاکستان کے امیر جناب سید منور حسن صاحب اور جماعت اسلامی کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اتنے منتخب مجمع سے گفتگو کا موقع فراہم کیا۔

☆☆☆

جماعت اسلامی ہند کی خدمات اور سرگرمیاں

۱۱؍جون ۲۰۱۲ء کو بعد نماز عصر اسلام آباد میں جماعت اسلامی پاکستان کے وابستگان اور بہی خواہوں کے درمیان کیا گیا خطاب

محترم دوستو اور ساتھیو!

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے آپ دوستوں سے ملاقات کا یہ موقع عنایت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری یہ ملاقات بامقصد ہو اور اس کے ذریعہ اللہ کی رضا اور خوشنودی ہم سب کو حاصل ہو۔

محترم دوستو اور ساتھیو!

اس وقت میں جماعت اسلامی ہند کے بارے میں کچھ باتیں عرض کروں گا۔ یہ باتیں اس کے تمام کاموں کا اور اس کے انتظامی ڈھانچے کا احاطہ نہیں کرسکیں گی، لیکن اس سے آپ کو جماعت کی موجودہ صورت حال کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو سکے گا اور توقع ہے کہ آپ اس سے یک گونہ خوشی اور مسرت بھی محسوس کریں گے کہ پڑوس میں آپ کے بھائی اسی مقصد کے لیے سرگرم عمل ہیں، جس کے لیے آپ یہاں تگ و دو کررہے ہیں۔

جماعت اسلامی ہند کی تشکیل

جماعت اسلامی کا قیام، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اقامت دین کے مقصد

سے ہوا ہے اور اس کی ساری سرگرمیاں اسی مقصد کے لیے ہیں۔ اس کا ایک تنظیمی ڈھانچہ ہے، جس کے تحت وہ اپنی خدمات انجام دیتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگست ۱۹۴۷ء میں برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی اور ہندوستان اور پاکستان دو آزاد مملکتوں کے قیام کا اعلان ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں وہ ارکان جماعت جو ہندوستان میں رہ گئے تھے، انھوں نے ازسرِنو خود کو منظّم کیا۔ اس وقت پورے ہندوستان میں ان کی تعداد تقریباً ڈھائی سو تھی۔

جماعت کی دعوتی سرگرمیاں

جماعت اسلامی ہند نے شروع سے طے کیا کہ اس ملک میں بڑا کام بلکہ بنیادی کام یہ ہے کہ یہاں کی غیرمسلم آبادی کو اسلام سے روشناس کرایا جائے۔ وہ مسلمانوں سے تو واقف تھے، ان سے ان کی کش مکش بھی تھی، اختلافات بھی تھے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اسلام سے ان کی واقفیت نہیں تھی۔ بڑی حد تک کوشش کرنے کے باوجود اب بھی ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اسلام سے ان کی جیسی واقفیت ہونی چاہیے، نہیں ہے۔ یہ بات کہ اسلام ہی میں انسان کی نجات ہے، فرد کی بھی نجات ہے، پورے ملک کی بھی نجات ہے، اسی سے دنیا کا نظام صحیح طریقے سے چل سکتا ہے، فرد کی تعمیر، اس کا ارتقاء، معاشرے کی تعمیر ، سیاست کی تشکیل اسلام ہی کی بنیاد پر ہونی چاہیے، اس کا خطاب ہر فرد سے ہے، وہ چاہے امیر ہو یا غریب، تعلیم یافتہ ہو یا غیرتعلیم یافتہ، بااختیار ہو یا بے اختیار، ہر شخص اس کا مخاطب ہے، اور اس کے بارے میں اسے اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ ہم نے دیکھا اور آج بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ اسلام کا یہ تصور غیرمسلموں میں نہیں ہے۔ ویسے تو اسلام کا یہ وسیع تصور زیادہ تر مسلمانوں میں بھی نہیں ہے، لیکن فی الجملہ اسلام کی حقانیت پر ان کا ایمان ہے۔ جہاں تک غیرمسلموں کا معاملہ ہے وہ اس طرح نہیں سوچتے۔ ان میں جو صاف ذہن کے لوگ ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمان ایک قوم ہیں، ان کی کچھ عبادات اور کچھ سماجی طور طریقے ہیں، جن کی وہ

پابندی کرنا چاہتے ہیں، اسلام مسلمانوں کا مذہب ہے، اس کا تعلق ہم سے نہیں ہے۔ مسلمانوں میں سے کسی شخص یا کسی جماعت کے بارے میں، ان میں سے بعض افراد کا اپنے تجربات کی بنیاد پر کبھی کبھی یہ احساس بھی سامنے آتا ہے کہ فلاں آدمی غلط نہیں ہے، یا یہ غلط لوگ نہیں ہیں، یہ ملک کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، یہ اچھے لوگ ہیں، بااخلاق ہیں۔ یہ آخری حد ہے۔ ورنہ زیادہ تر لوگ اب بھی شبہات اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ جماعت نے اپنے محدود وسائل کے باوجود فیصلہ کیا کہ اس ملک میں اسلام کا کام اسی وقت بڑھ سکتا ہے جب یہاں کی بڑی آبادی اسلام کو سمجھ لے۔

علاقائی زبانوں میں قرآن مجید اور اسلامی لٹریچر کا ترجمہ

آپ جانتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی مردم شماری کے حساب سے پندرہ (۱۵) کروڑ کے قریب ہے (مسلمان سمجھتے ہیں کہ ان کی آبادی ۲۰ کروڑ تک ہے) اس کے بالمقابل سو کروڑ کے قریب آبادی دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی ہے۔ وہ مختلف طبقات سے تعلق رکھتے ہیں، مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ جماعت نے فیصلہ کیا کہ اور کاموں کے ساتھ کم از کم ملک کی اہم علاقائی زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا جائے۔ ہمارے پاس غیر مسلموں سے خطاب کرنے والا لٹریچر بہت کم تھا۔ ہمارا زیادہ تر لٹریچر مسلمانوں سے خطاب کرتا تھا۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ اس وقت ہمارے درمیان سب سے بڑے عالم تھے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ قرآن شریف کا ترجمہ کریں۔ وہ پہلے اردو میں ترجمہ کریں، پھر اس کو ہندی میں منتقل کیا جائے۔ وہ کام شروع ہوا، لیکن ایک مرحلے کے بعد رک گیا۔ پھر جب جماعت کی افرادی قوت میں اضافہ ہوا تو اس نے ضروری سمجھا کہ دین کو سمجھنے کے لیے اس کے بنیادی مآخذ اور اس کی تعلیمات سے واقفیت ضروری ہے۔ دین کا اصل مآخذ قرآن مجید اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث ہیں، اسی کے ساتھ صحابۂ کرام کی سیرت اور دین سے متعلق بنیادی لٹریچر کی

اہمیت ہے۔ اسے ان زبانوں میں منتقل کیا جائے جو یہاں کے غیر مسلم بولتے ہیں۔ مسلمان خاص طور پر شمالی ہند میں اردو بولتے تھے، اب یہ عام مسلمانوں کی زبان ہے۔ لیکن غیر مسلموں کی بڑی تعداد شمالی ہند میں بھی ہندی بولتی ہے۔ اس کے بعد مختلف ریاستوں کی مختلف زبانیں ہیں اور ہر ریاست کی آبادی بہت بڑی ہے۔ بنگال میں رہنے والوں کی زبان بنگالی ہے۔ ان کی آبادی دس (۱۰) کروڑ ہے۔ مہاراشٹر میں رہنے والوں کی زبان مراٹھی ہے، ان کی آبادی بھی دس (۱۰) کروڑ کے قریب ہے۔ آندھرا پردیش کی زبان تلگو ہے۔ اس کی آبادی نو (۹) کروڑ ہے۔ تمل ناڈو میں تمل بولنے والوں کی آبادی سات (۷) کروڑ ہے۔ غرض وہاں جتنی ریاستیں ہیں ان سب کی زبانیں الگ ہیں اور انہی زبانوں میں وہ اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ان تمام زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ کرایا گیا۔ اس کی بنیاد مولانا مودودیؒ کے ترجمۂ قرآن کو بنایا گیا۔ بعض آزاد اور براہ راست ترجمے بھی ہوئے۔ اسی طرح احادیث کے مجموعے تیار ہوئے، اسلامی لٹریچر تیار ہوا۔ اب اس وقت پوزیشن یہ ہے کہ ملیالم زبان میں، جو کیرلا کی زبان ہے، چھ، ساڑھے چھ سو (۶۵۰) کتابیں آچکی ہیں۔ جماعت اسلامی نے ملک کی مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر کو منتقل کرنا شروع کیا تو اسلامیات پر ان زبانوں میں قابل ذکر لٹریچر نہ تھا، یا برائے نام تھا۔ کیرلا سے متصل ریاست کرناٹک ہے۔ وہاں کنڑ زبان بولنے والے لوگ ہیں۔ اس زبان میں تقریباً تین سو (۳۰۰) کتابیں آچکی ہیں۔ ریاست تمل ناڈو میں تمل زبان بولنے والے ہیں۔ اس زبان میں بھی دو سو (۲۰۰) سے زائد کتابیں آچکی ہیں۔ ہر علاقے میں ہمارا اشاعتی ادارہ ہے، پریس ہے۔ اسی طرح بیش تر ریاستوں میں جماعت کے اخبار بھی ہیں۔ بعض اخبارات زیادہ تعداد میں چھپتے ہیں اور بعض محدود پیمانے پر۔ کیرلا سے شائع ہونے والے اخبارات کی اشاعت نسبتاً زیادہ ہے۔

غیر مسلموں میں کام

ہم نے اس کام کے لیے افراد بھی تیار کیے۔ مختلف اسباب سے کچھ دقتیں پیش آرہی تھیں۔ پہلے ہمارے ہی افراد اور کارکن غیر مسلموں تک نہیں پہنچ پاتے تھے۔ ہم نے اس کام کے لیے افراد تیار کیے۔ اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ ان مذاہب کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ اب ان سے ہماری انفرادی ملاقاتیں بھی ہورہی ہیں اور انھیں وسیع پیمانے پر اسلام کی دعوت دی جارہی ہے۔ مثال کے طور پر مختلف عناوین سے ہفتہ منایا جاتا ہے، مثلاً ہفتہ تعارف قرآن، ہفتہ تعارف سیرت نبوی، ہفتہ تعارف اسلام وغیرہ۔ اس طرح لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہورہے ہیں۔ یہ ایک بڑا کام ہے جو الحمدللہ جماعت اسلامی ہند اپنی وسعت کے مطابق پورے ملک میں انجام دے رہی ہے۔اس میقات میں ہم نے خاص طور سے کوشش کی ہے کہ غیر مسلموں کے سامنے یہ بات آئے کہ اسلام زندگی کے مسائل بہتر طریقہ سے حل کرتا ہے، اس وقت دنیا میں جو بگاڑ ہے اسے وہ دور کرسکتا ہے۔الحمدللہ اس کے اچھے نتائج دیکھے جارہے ہیں۔ ظاہر ہے اس کوشش کے نتیجے میں کچھ لوگ اللہ کے دین کو قبول بھی کررہے ہیں۔ اس کے بعد ان کے بے شمار مسائل ہوتے ہیں، ان کو حل کرنا پڑتا ہے۔ یہ سب اسی کوشش کا ایک حصہ ہے۔

اصلاح معاشرہ کی کوششیں

دوسری طرف ہم نے طے کیا اور یہ ہماری پالیسی کا شروع ہی سے حصہ ہے کہ امت مسلمہ، جو بڑی حد تک دین کی تعلیمات اور تقاضوں سے بے خبر ہے، اسے دین سے واقف کرایا جائے اور اس کا پابند بنانے کی بھی کوشش کی جائے۔ جو صورت حال امت کی یہاں ہے وہی ہندوستان میں بھی ہے۔ ظاہر ہے کوئی مسلمان یہ نہیں کہتا کہ ہم اسلام کی فلاں تعلیم کو نہیں مانتے، کیونکہ ایسا کہنے سے وہ مسلمان ہی نہیں رہے گا، لیکن

ان کی زندگیوں میں اسلام نظر نہیں آتا۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ نماز کے پابند ہوگئے ہوں، اسلامی اخلاق انھوں نے اختیار کرلیا ہو، ان کے معاملات اسلام کی ہدایات کے تابع ہوں، ان کے گھر کا نظام اسلام کے مطابق چل رہا ہو۔ ایسا کم ہی ہے۔ شروع سے جو بات جماعت اسلامی ہند کہتی رہی ہے وہ یہ کہ اس امت کو اُس مقام تک پہنچانا ہے کہ پوری امت خیرامت بن جائے اور شہادت علی الناس کا فریضہ انجام دینے میں لگ جائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود ہم بحیثیت مجموعی امت کو اس مقام پر ابھی نہیں پہنچاسکے ہیں، بہرحال ہماری کوششیں جاری ہیں۔

خاندان ــــ مرکز توجہ

ادھر ہم نے طے کیا کہ ان کوششوں کے ساتھ ایک متعین ہدف بھی رکھا جائے۔ وہ ہدف یہ ہے کہ مسلمانوں سے کہا جائے کہ دیکھو، باہر کی دنیا میں تو تم اسلام کے خلاف ماحول دیکھتے ہو، لیکن کم از کم تم اپنے خاندان کو اسلام کا پابند بناؤ۔ تم اسلام کے پابند ہوجاؤ، تمہاری بیوی اسلام کی پابند ہوجائے، تمہارے بچے اسلام کے احکام کے پابند ہوجائیں۔ تمہارے بھائی، بہنیں اور رشتے دار اسلام کے احکام کے پابند ہوجائیں۔ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ تم دنیا کو اسلام کی دعوت دیتے ہو اور خود اپنے گھر کے اندر اسلام کے احکام کی پابندی نہیں کرتے ہو۔ یعنی دعوت کے وسیع اور بڑے کام کے ساتھ ہم نے خاندان کو فوکس (Focus) کیا، تاکہ ہم اپنے رفقاء اور کارکنوں کا جائزہ لے سکیں اور دیکھیں کہ ان کے قریبی ماحول کی کیا کیفیت ہے؟ اسلام کی خاندانی تعلیمات پر وہ خود کتنے کاربند ہیں اور ان کا خاندان کتنا کاربند ہے؟

خواتین میں کام

اسی طرح خواتین کی اصلاح کی طرف بھی ہماری توجہ ہے۔ جماعت اسلامی ہند نے کوشش کی ہے کہ خواتین کو دین کے کام میں شریک کیا جائے۔ قرآن نے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو مسلمانوں کی ذمہ داری قرار دیا ہے تو اس میں اس نے مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل کیا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبۃ:۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں، بدی سے روکتے ہیں۔''

قرآن چاہتا ہے کہ تبلیغ دین کے کام میں خواتین بھی شریک ہوں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ماضی قریب میں جو اسلامی تبدیلیاں دیکھی گئی ہیں ان میں عورتوں کا بڑا حصہ رہا ہے۔ بعض تبدیلیوں کے بارے میں تو احساس ہوتا ہے کہ ان میں پچاس فیصد حصہ خواتین کا ہے۔ اس اہمیت کی بنا پر جماعت اسلامی ہند نے بھی خواتین کو دین کے کاموں میں شریک کیا ہے۔

خدمت خلق کے مختلف شعبوں میں کام

ایک میدان خدمت خلق کا ہے۔ جماعت مختلف مواقع پر خدمت خلق کا کام کرتی رہی ہے۔ خدمت خلق اسلام کی اہم تعلیم ہے۔قرآن وحدیث کا حکم ہے کہ آپ انسانوں کی جو خدمت کر سکتے ہیں کریں، اپنوں کی بھی اور غیروں کی بھی، ہر ایک کے ہم درد و بہی خواہ بن کر رہیں۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس سے یہ پیغام جاتا ہے کہ آپ انسانوں کے دکھ درد سے غیر متعلق نہیں ہیں،ان کو کوئی پریشانی اور مصیبت ہو تو آپ ان کے کام آتے ہیں۔ خدمت خلق کا میدان بڑا وسیع ہے اور اس میں جماعت اسلامی کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ ان کی ایک ضرورت یہ ہے کہ انہیں تعلیم کے میدان میں اوپر اٹھایا جائے۔مختلف اسباب

سے وہ اس میں پیچھے رہ گئے ہیں، خاص طور پر شمالی ہند میں۔ دوسرے یہ کہ معاشی لحاظ سے بھی وہ کم زور ہیں۔ اس لیے ایک خاص پروگرام ہم نے یہ بنایا کہ ہمارا ہر کارکن کم سے کم ایک آدمی کو معاشی لحاظ سے اور تعلیمی لحاظ سے اوپر اٹھانے کی کوشش کرے۔ اس کے لیے ہمارے پاس بڑی تعداد میں اسکول ہیں، مدارس ہیں، کالج ہیں۔ اس کے ساتھ ہم نے ایک کام یہ کیا کہ وہ لڑکے جو تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، لیکن معاشی مجبوریوں سے ایسا نہیں کرپاتے، ان کے لیے اسکالر شپ ہو، ان کی تعلیمی ضروریات پوری کی جائیں۔ یہ کام بھی بہت بڑے پیمانے پر ہورہا ہے۔ اسی کے ساتھ غربت کی وجہ سے مسلمان بچوں اور بچیوں کی شادیاں نہیں ہوپاتیں۔ ہم نے جگہ جگہ پروگرام بنایا کہ ایسے خاندانوں کو یا بچوں اور بچیوں کو، جن کی غربت کی وجہ سے شادی نہیں ہوپارہی ہے، ان کی شادی کا انتظام کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہم کبھی دس خاندانوں کو، کبھی بیس خاندانوں کو جمع کرتے ہیں اور ان کی شادیاں کراتے ہیں اور گھر بسانے کے لیے ابتدائی طور پر جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے انھیں فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح غریب لوگ بعض اوقات اس کے محتاج ہوتے ہیں کہ ان کو غلہ فراہم کیا جائے۔ یہ کام بھی وقفہ وقفہ سے کیا جاتا ہے۔ ایک مسئلہ صحت کا ہے۔ الحمدللہ اس میدان میں بھی جماعت نے کافی کام کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں ہماری چھوٹی موٹی ڈسپنسریاں ہیں۔ اس کے ساتھ ہندوستان میں جماعت کے بڑے بڑے ہاسپٹل بھی کام کررہے ہیں۔ کیرلا میں کم ازکم چار بڑے ہاسپٹل ہیں۔ اسی طرح حیدرآباد میں ہمارا ایک بڑا میٹرنٹی ہاسپٹل ہے۔ آپ اس کے بارے میں اسی سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ حیدرآباد جیسے بڑے شہر میں وہ دوسرے یا تیسرے نمبر کا ہاسپٹل ہے۔ اس میں ہم نے اسلامی حدود کے تحت خواتین کے علاج کا اہتمام کیا ہے۔ اس میں ڈاکٹرس اور نرسز بھی خواتین ہیں۔ اس کے ساتھ ہم نے اس ہاسپٹل میں نرسنگ کا کورس بھی شروع کیا ہے۔ اترپردیش کے

شہر میرٹھ میں ہمارا ہاسپٹل کئی سال سے کام کر رہا ہے۔ ابھی حال میں ایک بہت بڑا ہاسپٹل ہم نے دہلی میں مرکز جماعت سے متصل قائم کیا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ جدید ترین ہاسپٹل ہے۔ تقریباً سال بھر سے کام کر رہا ہے۔

کارکنوں کی اصلاح و تربیت

ایک کام ہمارا، جس کی طرف ہم نے شروع سے توجہ دی، یہ ہے کہ ہمارے ارکان و کارکنان اور وہ اصحاب جو ہم سے وابستہ ہیں، ان کی اصلاح و تربیت ہو۔ ان کی فکری اور ذہنی تربیت بھی ہو اور ان کی سیرت و کردار کی اصلاح بھی ہو اور دستور جماعت میں جو معیار متعین کیا گیا ہے اس پر وہ قائم رہیں۔ اس کے ساتھ جماعت کے دستور میں جو معیار مطلوب بیان ہوا ہے اس تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ اگر ہمارا کوئی رفیق اسلام کے بنیادی تقاضے پورے نہیں کر رہا ہے اور رکنیت کے لازمی معیار سے نیچے گر رہا ہے تو اس کی اصلاح کی جائے اور اگر اصلاح نہ ہو سکے تو اسے نظم جماعت سے خارج کر دیا جائے۔ اصلاح و تربیت کا یہ عمل بھی الحمدللہ جماعت میں ہے۔ ہم اپنے طور پر ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ جماعت نے جو معیار قائم کیا ہے ہمارے رفقاء اور کارکن اس کا اہتمام کریں۔ یہ کوئی نیا معیار نہیں ہے۔ یہ وہ معیار ہے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوا ہے۔ ہر مسلمان کو اس معیار پر پورا اترنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ارکان اور کارکنان کی تعداد

عام طور پر لوگ سوال کرتے ہیں کہ آپ کے یہاں ارکان کی تعداد کیا ہے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہمارے یہاں ارکان کی تعداد آٹھ (۸) ہزار کے قریب ہے۔ ان میں دس (۱۰) فی صد خواتین ہیں۔ ہمارے یہاں ارکان کے بعد ایک اصطلاح کارکن کی ہے۔ پہلے یہ اصطلاح بہت عام تھی، لیکن ہم نے اسے مخصوص کیا ہے۔ ہم

کارکن اس شخص کو کہتے ہیں جو رکن کی طرح فارم بھرتا ہے اور یہ اعتراف کرتا ہے کہ مجھے جماعت کے نصب العین اور مقصد سے اتفاق ہے۔ میں اس کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہوں اور جماعت نے جو طریقۂ کار اختیار کیا ہے اس کا میں پابند رہوں گا، لیکن وہ کسی وجہ سے رکن بننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ مثلاً اس کی ملازمت کا مسئلہ ہے، یا وہ نہیں چاہتا کہ اس کا نام حکومت تک پہنچے، یا کسی کا کوئی کاروباری مسئلہ ہے۔ بعض اوقات یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ معلوم نہیں جماعت کے ساتھ کوئی سخت معاملہ ہوتو ہم بھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔ اس اندیشے کے تحت بھی لوگ رکنیت کا فارم نہیں بھرتے۔ انھیں ہم کارکن کہتے ہیں۔ ان کی تعداد پینتیس (۳۵) ہزار سے زیادہ ہی ہے۔

ہم اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں جماعت اسلامی ہند اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم ہے۔ اس کا جتنا بڑا نیٹ ورک ملک پھیلا ہوا ہے کسی اور جماعت کا نہیں ہے۔ بعض سیاسی پارٹیاں ہیں، لیکن ان کے اثرات خاص خاص علاقوں میں ہیں۔

سیاسی میدان میں جماعت کا کام

جماعت اسلامی ہند کا نصب العین اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ ہم نے سوچا کہ اس کے لیے ہندوستان میں ایک طویل عرصے تک جدّ وجہد کرنی ہوگی، اچانک کوئی بڑی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہاں مسلمانوں کے بعض مسائل ہیں، مثلاً وہاں دستوری لحاظ سے اگرچہ تمام شہری برابر ہیں، ہر ایک کی جان، مال، عزت آبرو محترم ہے۔ لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ وہاں فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں، ان میں مسلمانوں کی جان ، مال، عزت آبرو کو نقصان پہنچتا ہے، ان کی تعلیم کا مسئلہ ہے، ان کے پرسنل لا کا مسئلہ ہے، ان کی اوقاف کا مسئلہ ہے۔ اس طرح کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔ ظاہر ہے ہندوستان میں مسلمانوں کی چھوٹی موٹی آبادی نہیں ہے، جیسے مغربی ملکوں میں ہے، جہاں ان کی تعداد ہزار دو ہزار یا لاکھ دو لاکھ ہے۔

حکومت ہند کی مردم شماری کے مطابق مسلمان پندرہ (۱۵) کروڑ کے قریب ہیں۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ اتنی بڑی امت کے کتنے مسائل ہوں گے۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ہم اب تک یہ کرتے تھے کہ الیکشن کے موقع پر جو پارٹیاں میدان میں ہوتی تھیں ان سے گفتگو کرتے اور ان میں سے جو پارٹیاں مسلمانوں کے مسائل میں دلچسپی کا اظہار کرتیں اور انھیں حل کرنے کا اور ان کے سلسلے میں آواز اٹھانے کا وعدہ کرتی تھیں، جماعت کے رفقاء ان کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کرتے تھے۔ دو سال پہلے جماعت نے سوچا کہ جس پارٹی کو ہم اپنا ووٹ دیتے ہیں، الیکشن کے بعد وہ اور اس کے لیڈر نہ ہم سے کوئی تعلق رکھتے ہیں، نہ ہماری سنتے ہیں، بلکہ وہ اپنی اپنی پارٹی کی ہدایات کے پابند ہوتے ہیں، اس لیے کوئی ایسی پارٹی ہو جس پر ہمارے اثرات ہوں۔ اس کے لیے سوچا گیا کہ ایک ایسی پارٹی ہونی چاہیے جس میں جماعت کے لوگ بھی شریک ہوں اور جماعت سے باہر کے لوگ بھی۔ اور کوشش کی جائے کہ جماعت کے لوگ اس میں مؤثر ہوں، تا کہ ہم اس سے اپنی بات کہہ سکیں اور اگر وہ کوئی غلط رخ اختیار کرے تو اسے ٹوک سکیں۔ چنانچہ ویلفیئر پارٹی آف انڈیا کا قیام عمل میں آیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ بعض علاقوں میں وہ کام کر رہی ہے، بعض دوسرے علاقوں میں ابھی اس کا کام شروع نہیں ہو سکا ہے۔ اس میں مرد اور خواتین دونوں ہیں، کم زور طبقات کے لوگ بھی ہیں، مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ یہ سب مل کر پورے ملک کی فلاح و بہبود اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے کام کر رہے ہیں۔ یہ پارٹی ابھی ابھی قائم ہوئی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ آئندہ یہ مزید کتنی اور کہاں کہاں پیش قدمی کرتی ہے۔

یہ چند باتیں میں نے جماعت اسلامی ہند کے تعارف کے سلسلے میں آپ کے سامنے رکھی ہے۔ اور بھی بہت سی باتیں ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ان سب کا یہ موقع نہیں ہے۔

☆☆☆

انٹرویو روزنامہ نئی بات لاہور

پینل انٹرویو: ریاض ساگر، حامد الرحمٰن، فواد احمد

جماعت اسلامی ہند کے کاموں میں مشکلات

س: بھارت میں جماعت اسلامی کو کام میں کیا مشکلات درپیش ہیں؟

ج: دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں آپ کوئی اچھا کام کریں اور آپ کے لیے مشکلات اور رکاوٹیں نہ ہوں اور آسانیاں ہی آسانیاں فراہم ہوتی چلی جائیں۔ پاکستان میں اٹھانوے (۹۸) فی صد مسلمان ہیں، لیکن یہاں بھی جماعت اسلامی کی راہ میں مشکلات پیش آتی ہوں گی۔ ہندوستان میں بھی اسلام کے لیے کام کے دوران میں دشواریاں ہیں۔ آدمی جب کوئی بڑا کام کرتا ہے تو ان رکاوٹوں اور مشکلات پر قابو پاتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ ہندوستان میں کام کے دوران میں بہت سی دشواریاں ہیں۔ سب سے بڑی دشواری یہی ہے کہ وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ ان کا تناسب سرکاری مردم شماری کے مطابق پندرہ (۱۵) فی صد ہے، جب کہ مسلمان خود کو بیس (۲۰) فی صد کہتے ہیں۔ اگر انھیں بیس (۲۰) فی صد بھی مان لیا جائے تب بھی ہندومت اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی تعداد اسّی (۸۰) فی صد یا اس سے زیادہ ہوگی۔ ایسے میں جب ہم وہاں اسلام کی دعوت کا کام کرتے ہیں، لوگوں کو بتاتے ہیں کہ اسلام دینِ حق

ہے، اس پر عمل ہونا چاہیے تو وہاں کی ایک بڑی آبادی چونکتی ہے۔ یہ بجائے خود ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ بہر حال ہم وہاں حکمت کے ساتھ دعوتی کام کر رہے ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی صورت حال

س: بھارت میں مسلمانوں کی صورت حال کیا ہے؟

ج: ہندوستان میں مسلمان کسی ایک جگہ نہیں بستے، پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر جگہ ان کا تناسب الگ ہے۔ کسی ریاست میں مسلمان تیس بتیس (۳۰،۳۲) فی صد ہیں اور کسی ریاست میں صرف دو(۲) فی صد ہیں۔ جہاں آپ دو(۲) فی صد ہوں وہاں آپ کی حیثیت ہی کیا بنے گی۔ پھر مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیاں ہیں اور تعصب بھی ہے۔ یہ سب کچھ پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ اسلام کی دعوت پر لوگ کھلے ذہن اور غیر جانب داری کے ساتھ آسانی سے غور نہیں کر پاتے۔

دہشت گردی اور ہندوستانی مسلمان

س: بھارت میں ہونے والی دہشت گردی سے وہاں کا ایک عام مسلمان کتنا متاثر ہوتا ہے؟

ج: دہشت گردی کے واقعات پاکستان کی نسبت بھارت میں کم ہیں۔ دہشت گردی کے کسی بھی واقعے کی صورت میں مسلمانوں کو پکڑا جاتا ہے اور تحقیقات ہوتی ہیں، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی بھی بے گناہ مسلمان کو دہشت گردی کے الزام میں پکڑا گیا ہو اور اسے عدالت نے تسلیم کرلیا ہو۔ عدالت کا فیصلہ آنے میں بعض اوقات پانچ سات (۵،۷) برس لگ جاتے ہیں، کبھی اس سے زیادہ وقت بھی لگ جاتا ہے، جس کے نتیجے میں زندگی کا قیمتی حصہ ضائع ہوجاتا ہے اور کسی نوجوان کے اتنی لمبی مدت تک بے گناہ قید میں رہنے سے اس کا کیریئر بھی ختم ہوجاتا ہے۔ جماعت اسلامی ہند کا یہ موقف ہے کہ جب کسی کو گرفتار کیا جائے تو اس کے جرم کا ثبوت پیش کیا جائے۔ اگر کسی کو گرفتار کیا

جائے تو چوبیس (۲۴) گھنٹے کے اندر قانون کے مطابق اس کی گرفتاری ظاہر کی جائے اور بتایا جائے کہ اس پر کیا الزام ہے، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گرفتار کیے جانے والے فرد کا کئی کئی دن تک پتہ ہی نہیں چلتا۔ ہم اس پر زور دیتے ہیں کہ اسے عدالت میں پیش کیا جائے اور وہاں فیصلہ کیا جائے۔ وہاں ایک اصطلاح فاسٹ ٹریک عدالت کی استعمال ہوتی ہے، جس میں جلد فیصلہ ہوتا ہے۔ ہم بھی اور وہاں کی مسلم تنظیمیں اور انصاف پسند غیر مسلم بھی کہتے ہیں کہ ایسے کیسز کو ان عدالتوں میں پیش کیا جائے۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہے کہ کسی کو طویل عرصہ تک بے گناہ قید میں رکھا جائے، پھر بعد میں یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے کہ بے گناہ تھا اور کوئی جرم ثابت نہیں ہوا۔ پھر اس کی عجیب پوزیشن ہوجاتی ہے، نوکری اور کاروبار تباہ ہوجاتا ہے اور خاندان کے کئی افراد متاثر ہوتے ہیں۔ بعض جگہوں پر تلافی کی کوشش بھی کی گئی ہے، جیسے حیدرآباد وغیرہ میں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس سے بھی پوری تلافی نہیں ہو پاتی ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل

س: ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ بھارتی مسلمان سیکولر ذہن کے ہوتے جارہے ہیں۔ مسلمان لڑکیوں کی ہندو لڑکوں سے شادی کے بیش تر واقعات سامنے آتے ہیں۔ ایسے میں آپ ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل کیسا دیکھتے ہیں؟

ج: ان واقعات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ پہلے سے کچھ بڑھے بھی ہیں، پھر بھی یہ شاذ و نادر ہی ہیں۔ مسلمان لڑکیاں کہیں کہیں ہندو لڑکوں سے شادی کرتی ہیں، مسلمان لڑکوں کے ہندو لڑکیوں سے شادیوں کے واقعات بھی ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات خاص طور پر ایسی جگہوں پر ہوتے ہیں جہاں مخلوط نظام تعلیم ہے، یا ایسے علاقوں میں ہوتے ہیں جہاں لڑکے لڑکیاں ساتھ کام کرتے ہیں۔ اب تو وہاں ملٹی نیشنل کمپنیاں بہت آ گئی ہیں،

جہاں لڑکے لڑکیاں اکٹھے کام کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ہم اسے غلط سمجھتے ہیں اور ممکن حد تک اس کی اصلاح کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

ہندوستانی حکومت کی ہندو نوازی

س: بھارت خود کو سیکولر اسٹیٹ کہتا ہے، لیکن جب اقلیتوں کا معاملہ آتا ہے تو اس کا رویہ ایک ہندو اسٹیٹ جیسا ہوتا ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں؟

ج: دیکھیے، کوئی بھی حکومت، جو اقتدار میں ہو، وہ اس طرح کی بات نہیں کرسکتی۔ مخالف پارٹیاں کرسکتی ہیں۔ جو بھی اقتدار میں آئے گا وہ یہی کہے گا کہ بھارت سیکولر اسٹیٹ ہے، اس کا ایک دستور ہے، پارلیمنٹ اس کی بنیاد پر چلتی ہے، عدالتیں اس کی بنیاد پر فیصلے کرتی ہیں۔ اس لیے کسی سیاسی پارٹی کے لیے سیکولرزم سے انکار آسان نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ڈکلیئرڈ سیکولر اسٹیٹ ہے۔ اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور ہر جگہ ہوتی ہے۔ جیسے پاکستان ایک ڈیکلیئرڈ اسلامی ریاست ہے، لیکن یہاں جتنا اسلام پر عمل ہوتا ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔ اس کے باوجود پاکستان کا نام 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' ہی ہے!

جماعت اسلامی ہند اور ملکی انتخابات

س: بھارت میں جمعیۃ العلماء باقاعدہ انتخابات میں حصہ لیتی ہے اور ان کے کچھ لوگ راجیہ سبھا کے ممبر بھی ہیں، لیکن جماعت اسلامی ہند انتخابات میں حصہ کیوں نہیں لیتی؟

ج: جماعت اسلامی ہند کسی زمانے میں انتخابات سے بالکل الگ تھلگ رہی ہے۔ یہ بہت پہلے کی بات ہے۔ پھر بعد میں جماعت اسلامی نے فیصلہ کیا کہ ایسی پارٹیوں کی تائید کی جانی چاہیے جو یہاں جمہوریت کو باقی رکھنا چاہتی ہیں، مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنا چاہتی ہیں۔ یہ پارٹیاں زیادہ تر وہ ہیں جن کی قیادت غیرمسلموں کے ہاتھ میں ہے۔ کانگریس کی حمایت کردیجیے یا کسی اور پارٹی کی حمایت کردیجیے، یا علاقائی سطح پر

جو پارٹیاں ہیں ان کی حمایت کیجیے، لیکن اختیار و اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ اس کے باوجود جماعت اسلامی ہند انتخابات کے موقع پر ان سے گفتگو کرتی تھی اور جس پارٹی کے بارے میں خیال ہوتا تھا کہ یہ پارٹی موجودہ حالات میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرے گی، اسے ووٹ دیتی تھی۔ مثال کے طور پر مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں مذہب پر چلنے کی آزادی ملنی چاہیے، اور ان کے جان و مال کی حفاظت ہونی چاہیے۔ جو پارٹی بھی ان مطالبات کی حمایت کرتی تھی، جماعت اسلامی اس کو ووٹ دیتی رہی ہے۔ لیکن اب جماعت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک ایسی پارٹی ہونی چاہیے جس پر مسلمانوں کے اثرات ہوں۔ چنانچہ ویلفیئر پارٹی آف انڈیا کے نام سے ایک پارٹی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ یہ جماعت اسلامی کی پارٹی تو نہیں ہے، لیکن اس میں ہمارے ہم خیال لوگ شامل ہیں اور اسے جماعت اسلامی کی تائید حاصل ہے۔ دوسری بات یہ کہ جمعیۃ علمائے ہند بحیثیت پارٹی سیاست میں حصہ نہیں لیتی، اس کے افراد ذاتی حیثیت میں انفرادی طور پر ضرور انتخاب لڑتے ہیں اور عام طور پر کانگریس کی حمایت بھی کرتے ہیں۔

جماعت اسلامی ہند اور مسئلہ کشمیر

س: پاکستان اور بھارت کے مابین مسئلہ کشمیر کا حل آپ کی نظر میں کیا ہے؟

ج: ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہے۔ اگر مسئلہ نہ ہوتا تو پاکستان اور ہندوستان اس پر بات کیوں کرتے اور اب بھی کرتے ہیں۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ اس مسئلے کو باہمی گفت و شنید سے حل ہونا چاہیے۔ جنگ سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ پاکستان اور ہندوستان کے مابین تین (۳) جنگیں ہوچکی ہیں۔ اگر اب جنگ ہوگی تو بڑی تباہی مچے گی۔

س: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ تنازعۂ کشمیر کے حل کے لیے کشمیر کو ایک آزاد ریاست یا خود مختار ریاست بنادیا جائے؟

ج: اگر دونوں حکومتیں بیٹھ کر اس پر سوچ بچار کریں تو کوئی راستہ نکال سکتی ہیں۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ مسئلہ موجود ہے، اسے حل کیا جانا چاہیے۔ کیا شکل اختیار کی

جائے اس میں ہماری رائے یہ ہے کہ پاکستان ، ہندوستان اور کشمیر کے لوگوں کو بیٹھ کر سوچنا چاہیے ۔ اس وقت پاکستان اپنے موقف پر اور ہندوستان اپنے موقف پر ڈٹا ہوا ہے اور کشمیری دونوں سے الگ ہیں۔ یہ صورت حال مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اس مسئلے کو سہ فریقی مذاکرات کے ذریعے حل کیا جانا چاہیے۔

خودکش حملوں پر جماعت اسلامی ہند کا موقف

س: پاکستان اور دنیا بھر میں خودکش حملوں کے حوالے سے جماعت اسلامی ہند کا کیا موقف ہے؟

ج: خودکش حملوں کو ہم صحیح نہیں سمجھتے۔ خودکش حملوں کی دو شکلیں ہیں: ایک تو یہ کہ جنگ کے دوران آپ مخالف فوج کو نقصان پہنچانے کے لیے اس کے لشکر میں گھس کر حملہ کردیں، یہ تو جائز ہے۔ دوسری شکل میں آپ عام شہری آبادیوں کو نشانہ بنائیں، خود کش حملے کریں۔ یہ جائز نہیں ہے۔

ہند پاک تعلقات

س: آپ کے نزدیک پاکستان کو بھارت سے تعلقات بہتر بنانے چاہئیں یا چین سے؟ دونوں میں سے کس کے زیادہ قریب ہونا دونوں ملکوں کے لیے بہتر ہوگا؟

ج: پاکستان کے لوگ تو سمجھتے ہیں کہ چین سے تعلقات پاکستان کے لیے بہتر ہیں، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے چین کے ساتھ ساتھ بھارت کے ساتھ بھی برابری کی سطح پر تعلقات ہونے چاہئیں۔ اب آپ دیکھیے، بھارت سے آپ کے تعلقات بہتر ہوئے ہیں تو آپ کی معیشت میں بھی بہتری آئی ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان تجارت ہوسکتی ہے اور پھر تہذیب ، کلچر اور زبان سمیت بہت سی چیزیں ہمارے درمیان مشترک ہیں۔ دونوں ملک اس دوستی کے نتیجے میں اگر اپنے مسائل حل کرسکیں تو اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے۔

جماعت اسلامی کے خلاف حکومت بنگلہ دیش کی انتقامی کارروائیاں

س: بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے خلاف حکومتی انتقامی کارروائی کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ج: بنگلہ دیش حکومت کی جانب سے جماعت اسلامی کے خلاف انتقامی کارروائیاں غلط ہیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی زندگی ہی میں جماعت اسلامی سمیت تمام سیاسی و مذہبی پارٹیوں کو عام معافی دے کر بنگلہ دیش میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ہم سب ایک ہیں اور سب مل کر رہیں گے۔ لیکن اب چالیس (۴۰) سال بعد پرانے کیسز کو دوبارہ کھولا جارہا ہے۔ ان کیسز کے تواب گواہ بھی موجود نہیں رہے۔ بغیر مقدمات کے جماعت کے ذمہ داروں کو جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ پہلے ان پر مقدمات چلائے جاتے اور جرم ثابت ہونے پر انہیں سزا دی جاتی۔

پاکستان کی سیاسی صورت حال

س: پاکستان کی سیاسی صورت حال کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ج: پاکستان کی موجودہ صورت حال پر ہندوستان کے مسلمانوں کو تشویش لاحق ہے۔ انہیں پاکستان کی حالت دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ یہاں جس طرح صوبائی تعصب بڑھ رہا ہے اور لوگ اسے مزید ہوا دے رہے ہیں اس پر ہمیں تشویش ہے۔ پاکستان کے حالات مزید خراب ہورہے ہیں۔ آدھا ملک ٹوٹ چکا ہے۔ اس سے بھی سبق حاصل نہیں کیا گیا۔

(روزنامہ نئی بات لاہور، سنڈے میگزین، ۲۴-۳۰/جون ۲۰۱۲ء)

☆☆☆

انٹرویو اردو ڈائجسٹ لاہور

اختر عباس

نگاہ ان کے چہرے کی معصومیت، لباس کی سادگی، ہلکی ہلکی مسکراہٹ، کندھے پر پڑے رومال سے ہوتی ہوئی پاجامے کے بے حد کھلے پائینچوں تک جا پہنچی۔ اس عہد کے عالم بے بدل سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ بھی اسی طرح کا پاجامہ پہنا کرتے تھے۔ بھارت سے آئے ۷۷ سالہ سید جلال الدین عمری سے مصافحہ کے بعد ہم منصورہ کے دل میں واقع دارالضیافہ (مہمان خانے) کے مرکزی کمرے میں بیٹھ چکے تھے۔ بے حد دھیمے لہجے میں بات کرنے والے سید عمری اپنی عمر اور ذمے داری کے احساس کے باوصف تروتازہ، متحرک اور خوش دلی اور خوش مزاجی سے گفتگو پر آمادہ تھے۔

سید جلال الدین عمری اپریل ۲۰۱۱ء میں دوسری بار جماعت اسلامی ہند کے امیر منتخب ہوئے۔ اس سے پہلے وہ ۴ سال تک یہ ذمے داری نبھا چکے ہیں۔ وہ ہفتہ بھر کے لیے پاکستان کے دورے پر آئے تو لاہور اور کراچی میں ان کی بے شمار مصروفیات اور تقریبات رکھی گئی تھیں۔ انھوں نے ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ میں، جہاں سید مودودیؒ تہِ خاک سو رہے ہیں، ایک جدید لائبریری کا افتتاح کیا۔ کراچی میں قرآن پاک کے حوالے سے منعقد ایک نمائش کا ربن کاٹا۔ چند روز قبل مؤدب، ملنسار اور مسکراتے چہرے والے جماعت کے فارن سیکریٹری عبدالغفار عزیز نے ان کے اعزاز میں رکھے گئے الوداعی

کھانے کی دعوت دی تو میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا کہ ملاقات کی کوئی سبیل نکل سکتی ہے؟ معلوم ہوا کہ اگلے روز ۱۲ بجے ان کی دہلی کی فلائیٹ ہے اور ۱۰ بجے امیر جماعت سید منور حسن سے الوداعی ملاقات۔ اس سے پہلے ناشتا ہے، ہاں ناشتے پر ملاقات ہوسکتی ہے، اگر آپ اس کا فائدہ لے سکیں۔ یوں ہم صبح ۸ بجے عازم منصورہ ہوئے۔ عاطف مرزا بھی ہم راہ تھے۔

ناشتے کا بلاوا آیا تو عمری صاحب نے ہمیں ساتھ لیا اور ساتھ والے کمرے میں ڈائنگ ٹیبل پر جا پہنچے۔ میزبانوں نے مہمان کی شخصیت کی طرح کا ہی سادہ ناشتا سجایا تھا۔ انھوں نے دودھ کے کپ میں سیریل لیا اور ہماری طرف متوجہ ہوگئے۔

پاکستان کی معاشرت- تب اور اب

س: پاکستان میں آپ دوسری بار تشریف لائے ہیں۔ کئی سال بعد میں نے کئی کتابوں کے مصنف اور بھارتی مسلمانوں کے اہم راہنما سے گفتگو کا آغاز کیا۔ کیا فرق محسوس ہوا اتنے سالوں میں یہاں کی معاشرت اور کلچر میں؟

ج: ویسے تو بہت زیادہ گھومنے پھرنے کا موقع نہیں ملا۔ سفر میں آتے جاتے ہی دیکھا ہے۔ ملک نے خوب ترقی کی ہے، مگر معاشرت کے معاملے میں بے پردگی بڑھی ہے۔ حیدرآباد سے کراچی جاتے ہوئے ، یا کراچی اور لاہور آتے جاتے، کم کم ہی باپردہ خواتین نظر آئیں۔ یہاں بھارت کی فلمیں ڈرامے خوب دیکھے جاتے ہیں، حتیٰ کہ عرب ممالک میں پاکستانی احباب کہتے ہیں کہ فلم نہیں دیکھیں گے تو رات کیسے گزرے گی۔ اس کے لیے ہندوستان کی فلمیں بہت پسند کی جاتی ہیں۔ پرانی قدریں وقت کے تیز دھارے کے ساتھ مٹتی جارہی ہیں اور کوئی روک نہیں ہے۔

اہل ہندوستان نے اہل پاکستان کا کیا اثر لیا؟

س: ہم نے تو چاہتے نہ چاہتے بھارت کی تہذیب اور فلموں سے بہت اثر لیا ہے۔

وہاں کے لوگوں نے پاکستان کی کوئی چیز اختیار کی؟

ج: ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ لوگ کہتے کہ اسلام بطور نظامِ زندگی ان کی وجہ سے سامنے آیا ہے، ان کا معاشرہ بدل گیا ہے، جہالت کم ہوئی ہے، ظلم ختم ہوگیا ہے، مساوات آ گئی ہے تو بھارت کے لوگ یہ چیزیں آپ سے سیکھتے۔ آپ ایٹمی طاقت تو بن گئے، مگر اپنی اصل اسلامی قوت سے محروم ہیں، جو دوسروں کو آپ کا قدر داں یا پیرو بنائے۔ میری خواہش تھی کہ یہاں سے ظلم ختم ہو جاتا، لوگ اس کی مثال دیتے، کرپشن نہ رہتا، وسائل کا صحیح استعمال ہوتا۔ آپ کے پاس بہت کچھ ہے۔ تعلیم، افرادی قوت، وسائل اور اب ایٹمی ہتھیار بھی آپ کے پاس ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کا وزن نہیں محسوس کیا جاتا۔ ایران کو دیکھیے، آپ کے مقابلے میں چھوٹا ملک ہے۔ آپ کی آبادی سے آدھی آبادی ہوگی، مگر مغرب کے سامنے اتنے سالوں سے کھڑا ہے اور کوئی اسے زیر نہیں کرسکا۔ ٹھیک ہے، تیل کی دولت آپ کے پاس نہیں ہے، اسے تھوڑی دیر کے لیے بھول جائیے۔ آپ ایران سے بہت آگے ہیں۔ آپ کے پاس وسائل اور بہادر لوگوں سے بھرا پورا پنجاب ہے۔ ہمارے پاس پنجاب کا تھوڑا سا حصہ ہے، وہ پورے بھارت پر چھایا ہوا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ آپ اتنی قوت رکھنے کے باوجود بے بسی کی زندگی کیوں گزار رہے ہیں؟ امریکی وزیر دفاع جب کہتا ہے کہ ”حملہ کرتے ہوئے ہم پاکستان سے نہیں پوچھیں گے، یہ ہماری سلامتی کا سوال ہے۔“ کسی آزاد ملک کے بارے میں ایسے جملے اور ایسی بات کیسے کی جا سکتی ہے؟ آپ کے قومی کیریکٹر کا مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص کو آپ ٹین پرسنٹ کہتے تھے، اسے اٹھا کر صدر بنالیا ہے۔ آپ کی یہ شناخت ہر جگہ بدنامی کا باعث بنی ہے۔ جس کو ٹین پرسنٹ تب کہتے تھے جب اس کی بیوی کی حکومت تھی۔ اب جو صورت حال ہے اس پر کوئی کیا کہے، ففٹی پرسنٹ یا ہنڈرڈ پرسنٹ۔ یہ مسئلہ آپ کی قومی سوچ کا ہے۔

جماعت اسلامی پاکستان کے اثرات

س: یہاں کی جماعت اسلامی کا کام، ایک رائے ہے کہ زیادہ مؤثر نہیں رہا۔ آپ اسے کیسے دیکھتے ہیں؟

ج: دیکھیں، معاملہ یہ ہے کہ آپ کے ہاں بھٹو صاحب آئے۔ انھوں نے روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا۔ ان کا مقصد جو بھی تھا، لوگوں نے ان پر اعتبار کرلیا اور ان کے ساتھ ہولیے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ یہاں کی جماعت جب یہ کہے کہ اسلام ہمارے ذریعے آئے گا تو لوگوں کو اعتبار آجائے کہ یہ لوگ ہیں جو موجودہ ظلم کے نظام کو ختم کریں گے اور ہمارے مسائل حل کریں گے۔ لیکن یہ بات لوگوں کو سمجھائی نہیں جاسکی۔ جماعت لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ناکام رہی ہے۔ جو صحافی اور اسکالر یہاں سے وہاں آتے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ ہماری زندگی کا مقصد تو یہ ہے کہ اسلام غالب آجائے، دنیا کے سارے مسائل حل ہوجائیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ دوسرے ورلڈ آرڈر دے رہے ہیں۔ یہ آپ کو دینا چاہیے تھا۔ آپ کے پاس اسلام کی فکر تھی۔

اسلام تو امریکیوں، افریقیوں، اوباما اور زرداری کے لیے بھی ہے، مگر آپ کے اپنے مسائل ہی ختم نہیں ہوتے، دوسروں کو فکری دعوت کب دیں گے۔ مسلمان پوری دنیا میں انقلاب لانے کے لیے آئے ہیں۔ اب ان کو بس یہ فکر ہے کہ ہمارا ملک بچ جائے۔ فلاں ملک میں فساد ختم ہوجائے۔ حضرت محمد ﷺ ساری دنیا کے لیے تھے۔ ان کی دعوت عام کرنے کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔ میرا احساس ہے کہ پاکستانی قوم نے اسلام کو بطور نظام زندگی قبول نہیں کیا۔ اگرچہ ان کو اس سے انکار نہیں، مگر عملاً تسلیم کرنے پر تیار بھی نہیں ہیں۔

جب تک جماعت، پاکستان کے لوگوں کو اطمینان نہیں دلاتی کہ جماعت ان کی توقعات پر پورا اترے گی، مسائل حل کرے گی، تب تک مؤثر نہیں ہوگی۔ ہمارے اور

آپ کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ہم اقلیت میں ہیں۔ وسائل سے محروم، بے اختیار اور اعتماد سے محروم ہیں۔ جمہوریت کا مطلب ہے سب کی سنو، مگر اسلام کی دعوت وتبلیغ کی راہ میں رکاوٹیں ہیں۔ مذہب کو اجتماعی زندگی سے دور رکھنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ جب کوئی کہتا ہے کہ مذہب کی بات نہ کرو تو سو لوگ اس کا بھی ساتھ دینے لگتے ہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آج کے دکھ درد کا حل اسلام میں ہے، اس پر غور کرو، یہ نہ کہو کہ اس پر غور کرنے کے لیے بھی ہم تیار نہیں ہے۔ کسی بیمار سے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تمہارے مرض کا علاج یونانی میں ہے یا آیورویدک میں ہے تو یہ کہہ کر اس کی زبان بند نہ کرو کہ یہ دور جدید ہے، اس میں علاج صرف ایلوپیتھی سے ہوتا ہے۔ یہ کوئی دانش مندی نہیں ہے۔

آپ اپنے ملک میں ہیں۔ یہاں اس طرح کا سوال نہیں پیدا ہوگا۔ آپ اگر اسلام کو نظام حیات کے طور پر پیش کریں گے تو اس کی مخالفت آسان نہ ہوگی۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وقت کے ساتھ لوگ اسلامی جماعتوں پر اعتماد کرنے لگیں گے۔ اس چیز کا تعلق وقت سے نہیں، حکمتِ عملی سے ہے۔ کن مسائل کو آپ اہمیت دیتے ہیں اور اسلام کو کس طرح پیش کرتے ہیں؟

کیا ہندو اچھی قوم ہے؟

س: سنا ہے، آپ نے کسی جگہ یہ کہا تھا کہ ہندو بڑی اچھی قوم ہے؟

ج: (ہنستے ہوئے) ہاں کہا تھا۔ اگر وہ اچھے نہ ہوتے تو آج ۲۰ کروڑ وہاں، ۱۸ کروڑ یہاں اور ۱۵ کروڑ بنگلہ دیش میں مسلمان نہ ہوتے۔ انھوں نے اسلام قبول نہ کیا ہوتا تو دو بڑے اسلامی ملک کیسے وجود میں آتے؟ ہمارا کام پیغام دینا ہے، وہ ہم سے ٹھیک سے نہیں ہو پا رہا ہے۔ عرب سے آنے والے چند لوگوں کی وجہ سے برصغیر میں پچاس کروڑ سے زیادہ مسلمان ہو گئے تو اب اچھی طرح اسلام پیش کیا جائے تو مزید لوگ کیوں نہیں قبول کریں گے۔

ڈاکٹر ذاکر نائک کا دعوتی کام

س: ایسا لگتا ہے، ڈاکٹر ذاکر نائک وہاں بڑا کام کررہے ہیں۔ ان کی دعوت پر بہت لوگ مسلمان ہورہے ہیں۔

ج: ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ورنہ جتنے مسلمان بتائے جاتے ہیں اگر وہ تعداد کم از کم مردم شماری ہی میں شامل ہوجاتی تو ملک کا نقشہ بدلا ہوا ہوتا۔ اس تعداد میں کافی مبالغہ پایا جاتا ہے۔ بہرحال کام وہ اچھا کررہے ہیں، مگر ذمہ دار مسلمان تنظیمیں ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ ان کا انداز الگ ہے۔ بہت لوگ ان کو سننے آتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔

جماعت کے اخبار کا ہندو ایڈیٹر

س: کہا جاتا ہے کہ کیرلا میں جماعت کے اخبار کا ایڈیٹر ایک ہندو ہے؟

ج: ہر شعبے کا کام اس کے ماہر لوگوں سے لینا چاہیے۔ اسے آپ ہماری مجبوری بھی کہہ سکتے ہیں۔ جماعت کے اس پرچے کی اشاعت ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ وہ وہاں کا بہت مقبول اخبار ہے۔

اردو زبان پر قدرت

س: آپ نے رام پور اور علی گڑھ میں وقت گزرا، انگریزی میں گریجویشن کیا۔ آپ کا تعلق تمل ناڈو سے ہے، پھر بھی اتنی اچھی اردو بولتے ہیں۔ اس پر قدرت کیسے حاصل کی؟ تمل تو ضرور آتی ہوگی؟

ج: نہیں، عام بول چال کی تمل کسی حد تک سمجھتا ہوں، بول نہیں سکتا۔ میری پیدائش جس علاقے میں ہوئی وہ اردو کا علاقہ ہے۔ میری مادری زبان اردو ہے، میری پوری تعلیم اردو میں ہوئی۔ اس علاقہ پر نوابانِ ارکاٹ کی حکومت رہی ہے۔ ان کا تعلق گوپا موَ (لکھنو)

سے ہے۔ ان کی وجہ سے بھی یہ علاقہ ایک طرح سے اردو کا مرکز بن گیا۔ ٹمل ناڈو میں مسلمان مردم شماری کے لحاظ سے تقریباً چھ (۶) فی صد ہیں۔ ہمارے علاقے میں ان کا تناسب دس گیارہ فی صد ہوگا۔ اب تو پچاس پچپن سال سے میرا تعلق یو، پی اور دلّی سے ہے۔ اُدھر جماعتی کام ہی سے کبھی جانا ہوتا ہے۔

جماعت کا مرکز دہلی میں کیوں؟

س: آپ نے اپنی جماعت کا مرکز دہلی میں بنایا، جب کہ جنوبی ہند میں آپ کا کام زیادہ ہے؟

ج: اس لیے کہ دہلی دارالحکومت ہے۔ بیش تر دینی، ملّی اور سیاسی تنظیموں کے مراکز دہلی میں ہیں۔ جماعت کا مرکز ابتدائی دور میں رام پور (یوپی) میں رہا۔ اس کے بعد دہلی کی اہمیت کی بنا پر جلد ہی دہلی منتقل ہوگیا۔ ہمارا نیا مرکز تعمیر ہو رہا ہے۔ اس میں ہسپتال ہے، مسجد ہے، مکتبہ ہے، اردو، انگریزی، ہندی اخبارات کے دفاتر ہیں۔ مہمان خانہ اور بعض دوسرے دفاتر ہیں۔

ہندوستان میں کرپشن کا مسئلہ

س: بھارت میں اگرچہ بہت سے مسائل ہیں، مگر کہا جاتا ہے کہ کرپشن اور بدعنوانی کا مسئلہ انّا ہزارے کی قیادت میں عوامی تحریک کی شکل میں سب سے بڑے مسئلے کے طور پر سامنے آیا ہے۔ عوام کے اندر اس قدر زبردست بیداری کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

ج: کرپشن تو ہمارے ہاں شروع سے ہی بہت زیادہ رہا ہے، مگر جس بھیانک روپ میں اب اس کا راج ہے، پہلے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ اب تو یہ ہماری سیاست اور عوامی زندگی کے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ رشوت کے بغیر اس کا کام نہیں ہوگا۔ بغیر رشوت کے جائز کام بھی نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے میں جتنی کوششیں ہو رہی ہیں، ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ کرپشن اور بدعنوانی اتنی

آسانی سے ختم نہیں ہوگی۔ یہ نئے نئے روپ اور رخ سے ابھرتی رہے گی۔ اس کے مکمل خاتمے کی بہ ظاہر دو ہی صورتیں ہیں:

(۱) پورے معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کردیا جائے کہ ہر شخص رشوت لینے اور دینے کو جرم سمجھنے لگے۔ چند لوگوں کے خلاف سیاسی یا قانونی اقدامات سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ فرد اور معاشرہ دونوں میں خدا کا خوف اور آخرت کی باز پرس کا احساس، بلکہ پختہ یقین پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر آدمی اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھے اور رشوت لیتے اور دیتے ہوئے یہ بات اس کے ذہن میں رہے تو خود بہ خود ناجائز کام سے بچے گا۔ یوں کرپشن کے آگے ایک مضبوط بند باندھا جاسکے گا۔

گفتگو جاری تھی اور سوالات بھی بے شمار باقی تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور سید منور حسن کمرے میں داخل ہوئے۔ ان سے مسکراہٹوں اور چند جملوں کے تبادلے کے ساتھ ہی ہم نے اپنا قلم دان سمیٹا، سید جلال الدین عمری نے اپنی اردو کتاب 'اسلام انسانی حقوق کا پاسبان' پر بڑا خوش خط ایک جملہ ہمارے نام لکھا اور کتاب ہمارے حوالے کردی۔ جواباً ہم نے بھی اردو ڈائجسٹ کے خوب صورت لفافے میں رکھے ہوئے رسائل کا تحفہ ان کی نذر کیا اور دونوں 'امراء' سے مصافحہ اور معانقہ کرکے رخصت لی۔ عاطف مرزا پہلی بار منصورہ آئے تھے۔ وہاں کے پُرسکون ماحول، صفائی، نظم و ضبط اور سیکورٹی پر حیران تھے۔ ایک بھرپور نظر ہم نے اس بستی اور اس میں بسے دفاتر پر ڈالی اور واپسی کے لیے مین گیٹ کا رخ کیا۔

(ماہ نامہ اردو ڈائجسٹ لاہور، جولائی ۲۰۱۲ء)

☆☆☆